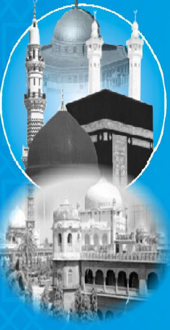
یا اللہ مدد | عقیدہ حیات النبی زندہ باد | شان رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہؓ زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہ زندہ باد | حق چار یارؓ



اکابرین اہل سنت (دیوبند) بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

اگست ر ستمبر 2023ء — محرم ر صفر ۱۴۴۵ھ

150 - 151

سال ۱۴۴۴ھ کی عیدِ قربان کے موقع پر اُنہوں نے ایک اور شوشہ چھوڑا ہے، جس سے مسلمانوں کے دِل مغموم اور قادیانی مسرور ہیں۔ نجانے اہل اسلام کے دِل چھلنی کر کے عمار خان صاحب کو کس قدر ''ثواب'' ملتا ہے کہ وہ ہر تھوڑے عرصہ بعد یہ ''فریضہ'' سرانجام دینا اپنی اہم ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ والی اللہ المشتکیٰ [قادیانیت کا سہولت کار: ۳۰]

حضرت امام ابوداوٗدؒ کے اِس طرزِ عمل سے معلوم ہوا کہ کسی روایت کا ایک پہلو نا قابل استدلال ہو لیکن اُسی روایت میں درج دوسرا مسئلہ ثابت شدہ ہو تو اس روایت سے دوسرے مسئلے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ حضرت اوکاڑویؒ کا استدلال بھی بعینہٖ اِسی طرز کا ہے کہ زیر بحث روایت سے فقط فسق یزید پر استدلال فرمالیا، اور سیدنا معاویہؓ کے یزید کے فسق سے باخبر ہونے پر استدلال نہیں فرمایا۔ [ایک الزام کی وضاحت: ۲۸]

مزید اسی سے یہ واضح ہوا کہ غامدی صاحب (اور اصلاحی و فراہی) چاہیں تو اپنی تقریر و تحریر کے زور سے عام آیت اور حدیث کو خاص بنا دیں (ایسے ہی خاص کو عام بنا دیں) مگر سنت و حدیث کو یعنی نبی کریم ﷺ کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ عام آیت کو خاص بتائیں یا خاص آیت کو عام بتائیں!!؟ قارئین کو اِس بات پر خوب توجہ دینی چاہیے۔ [غامدی اجتہادات: ۶۴]





مظہریہ دار المطالعہ جنہان سومرو
0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

یا اللہ مدد | عقیدہ حیات النبی ﷺ زندہ باد | شانِ رسالت زندہ باد

اصلی کلمہ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

مقامِ صحابہؓ زندہ باد | مقامِ امام اعظم ابوحنیفہؒ زندہ باد | حق چار یارؓ

بیاد
محدثِ عرب و عجم آبروئے دیوبند امامِ اہلِ سنت تلمیذ حضرت مدنی شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز
امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

اکابر اہلِ سنت (دیوبند) بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا
سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

بفیضان
مظہر شریعت و طریقت قائد اہلِ سنت وکیلِ صحابہؓ
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

مجلّہ صفدر

بیاد

مفسرِ قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ

فقیہ العصر ترجمانِ اہلِ سنت دیوبند حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ

فخرِ اہلِ سنت وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ

حکیم العصر شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ

امینِ ملت مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ

پاسبانِ مسلکِ احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ

ترجمانِ مسلکِ اہلِ سنت دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ

وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ

جانشینِ شہیدِ اسلام محقق العصر سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا
وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا
حبیب الرحمٰن سومرو صاحب مدظلہ

نگران
وکیل احناف مناظر اسلام حضرت مولانا
مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب حفظہ اللہ

مدیر اعلیٰ
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی
0301-7790908

مدیر مسئول
مولانا احسن خدامی
0320-4902150

مدیر
حمزہ احسانی
0307-5687800

فی شمارہ 100 | زرِ سالانہ 600

برائے رابطہ: مکان نمبر 4 گلی 82 محمود سٹریٹ محلہ سردار پورہ، اچھرہ لاہور 0312-4612774

فہرست

وفیات

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی بڑی بیٹی رحمہا اللہ [مانسہرہ] ......ابن امام اہل سنت مولانا عبدالقدوس قارن کا پوتا، حافظ ابوہریرہ کا بیٹا رحمہ اللہ......قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے مجاز مولانا مفتی جمیل الرحمٰن کی اہلیہ رحمہا اللہ......شیخ الحدیث مولانا ارشاد احمد رحمہ اللہ کبیر والہ......مولانا سید عصمت شاہ کاظمیؒ کے نواسے سید وسیم شاہ رحمہ اللہ......وفاق المدارس کے سابق صدر مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کی اہلیہ رحمہا اللہ......جامعہ مدنیہ جدید لاہور کے مدرس مولانا محمد صابر کی خوش دامن صاحبہ رحمہا اللہ......مناظر اسلام مولانا طاہر حسین گیاوی رحمہ اللہ [انڈیا]......قاری عبدالجبار [چکوال] کے بیٹے حافظ عثمان رحمہ اللہ......جامعہ حنفیہ جہلم کے طالب علم ارشد علی سواتی رحمہ اللہ......قاری احتشام الحق [لاہور] کے ماموں قاری عثمان رحیمی رحمہ اللہ......مولانا سہیل [گجرات] کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ......مولانا قاری اسحاق اوران کے فرزند رحمہما اللہ [جکڑ، جہلم]......مولانا مسیح اللہؒ [خلیفہ حضرت تھانویؒ] کی صاحبزادی، مولانا جلیل احمد شیروانیؒ [خلیفہ حضرت تھانویؒ] کی بہو، جناب شہباز شیروانی کی والدہ رحمہا اللہ [لاہور]......شہدائے باجوڑ رحمہم اللہ......جناب حنیف چوہان صاحب کا نواسہ رحمہ اللہ

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

دریچہ دِل

شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو

حلولیت اور ’’انا الحق‘‘ والے اِس راستے سے بے خبر ہیں!

یوں محوِ فنا ہوا ے دل! راہِ الفت میں ہر سانس میں پیدا ہو اِک نغمۂ منصوری

سالک ترقی کرکے جب مقام دِل سے راہ پاتا ہے تو اسے درجۂ فنا حاصل ہوتا ہے۔فنافی الشیخ، فنافی الرسول، فنا فی اللہ: اول دو فنائیں وسیلہ ہیں فنا فی اللہ کا۔کوئی شخص بفضل اللہ تعالیٰ بغیر جہد کے فنا فی اللہ کے رتبے پر ہو تو اسے اول دو فناؤں کی ضرورت نہیں۔ یہ فنائیت فی المحبۃ ہے، نہ کہ ذات! البتہ محبت کے اِس مقام پر ذاتی فنا کا شک ہوتا ہے۔ جیسے مجنوں کے زخم پر نشتر مارا گیا تو اس نے کہا: مت مارو! لیلیٰ کو تکلیف ہوگی۔ اِس فنائیت میں انانیت ختم ہوتی ہے۔تو اِس مقام پر ’’حق حق‘‘ کہے تو ٹھیک ہے، لیکن ’’انا الحق‘‘ کہے تو سمجھتا ہے کہ ’’انا‘‘ باقی ہے، کمال فنائیت نہیں۔ اسی لیے منصور حلاج ابھی آدھے راستے میں تھا کہ حواس کھو بیٹھا۔لیکن جب ’’انا‘‘ سے باخبر ہے تو حق سے بے خبر ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے فرمایا کہ

جب تک خود ہے، نہیں ہے وہ جب تُو نہیں، تو وہ خود ہے ہو بہو

اِس لیے منصور کا نام اور ’’انا الحق‘‘ کی مثالیں اور صدائیں وہ بلند کرتے ہیں جو اِس راستے سے جاہل و بے خبر ہیں۔ اور اُن کا مقصد عقیدۂ حلولیت سے جہل پھیلانا ہے۔ لہٰذا اُن کو چاہیے کہ پہلے منصور کو صاف کریں، پھر دعویٰ کریں۔

مثالیں ہمیشہ اصحابِ صحو کی دی جاتی ہیں جو مقام ہوش میں ہوتے ہیں اور جو مقام دعوت سے مشرف ہوتے ہیں۔ **فلما تجلی** سے جب **خر موسیٰ صعقا** کی کیفیت کا ظہور ہوا جس میں شبہ حلولیت کا ہوسکتا تھا، لیکن **فلما افاق** جب بقا سے مشرف ہوئے **قال سبحانک تبت الیک** شبہ حلولیت سے نکلے، کمال معرفت ہوئی، ظہورِ عبدیت ہوا تو **قال انی اصطفیتک** سے نبوت اور دعوت سے نوازا گیا۔ حلولیت اور ’’انا الحق‘‘ والے فنا کامل سے بھی مشرف نہیں چہ جائے کہ انھیں بقا سے نوازا جاتا۔

اللھم ارزقنا فناء فیک وبقاء بک حتی لانری احدا الا ایاک ولا نری غیرک الا بک. (۵ رمحرم الحرام ۱۴۴۵ھ......24 رجولائی 2023ء) ☆☆☆☆☆

ابن راشدی محمد عمار......قادیانیت کا سہولت کار!

عم مکرم مولانا زاہد الراشدی کے فرزند دِل پسند جناب عمار خان ناصر دیگر بہت سے اُصولی و بنیادی مسائل (حیاتِ عیسیٰ، توہین رسالت کی سزا، مرتد کی شرعی سزا، مسجد اقصیٰ کی تولیت، رجم کی سزا، مسئلہ جہاد اور اجماع امت وغیرہ) کی طرح مسئلہ قادیانیت میں بھی اُمت مسلمہ سے الگ رائے رکھتے ہیں۔ جس کا تذکرہ مجلّہ صفدر کے متفرق شماروں میں کیا جاچکا ہے۔ (دیکھیے: شمارہ ۴رتا ۶، ۱۵، ۲۶رتا ۳۳، ۳۸، ۵۶، ۱۳۵ر وغیرہ) سال ۱۴۴۴ھ کی عیدِ قربان کے موقع پر اُنہوں نے ایک اور شوشہ چھوڑا ہے، جس سے مسلمانوں کے دِل مغموم اور قادیانی مسرور ہیں۔ نجانے اہل اسلام کے دِل چھلنی کرکے عمار خان صاحب کو کس قدر ''ثواب'' ملتا ہے کہ وہ ہر تھوڑے عرصہ بعد یہ ''فریضہ'' سرانجام دینا اپنی اہم ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ والی اللہ المشتکیٰ. عمار خان صاحب کا تازہ شوشہ نقل کرنے سے قبل مختصر پس منظر عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پس منظر: ۱۹۷۴ء میں پاکستان کے اندر آئین کی رو سے قادیانیوں کو'' کافر اور غیر مسلم'' قرار دیا گیا۔ لیکن قادیانی تاحال اس آئینی فیصلے کو ماننے سے قولاً و عملاً اِنکاری ہیں۔ چنانچہ وہ بدستور اسلامی شعائر اور اصطلاحات کا استعمال کرتے رہے، جس کی وجہ سے سادہ لوح مسلمان اُنھیں مسلمان سمجھ کر اُن کے جال کا شکار بنتے رہے۔

اِس قادیانی دَجل و فریب کے سد باب کے لیے جنرل ضیاء الحق مرحوم نے ۱۹۸۶ء میں ''امتناع قادیانیت آرڈیننس'' نافذ کرکے قادیانیوں کو شعائر اسلام اور مذہب اسلام کی دینی اصطلاحات استعمال کرنے سے روک دیا۔ قادیانیوں نے یہ آرڈیننس وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا تو ۱۲ر روزہ سماعت کے بعد عدالت کے فل بینچ نے قادیانیوں کی درخواستیں مسترد کردیں اور اپنے فیصلے میں ''امتناع قادیانیت آرڈیننس'' کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ: قادیانی و لاہوری مسلمانوں کی کوئی اصطلاح استعمال نہیں کرسکتے، خود کو مسلمان نہیں کہہ سکتے، عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتے، اذان نہیں دے سکتے، اسلامی شخصیات کے مخصوص القابات (امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، ام المؤمنین، صحابی، اہل بیت) وغیرہ استعمال نہیں کرسکتے۔

بعدازاں قومی اسمبلی کی منظوری سے باقاعدہ ''امتناع قادیانیت ایکٹ ۱۹۸۴ء'' بنایا گیا اور اس کی خلاف ورزی کو جرم قرار دے کر اس کے ارتکاب پر ایف آئی آر درج کرنے اور قید و جرمانہ کی سزا مقرر کی گئی۔

لیکن قادیانی اپنے دجل و فریب سے باز نہیں آئے۔ اور تاحال اسلامی شعائر اور اصطلاحات کا

استعمال جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ چند سال قبل اسلام آباد ہائی کورٹ کے سابق جج جسٹس شوکت صدیقی صاحب کے سامنے نادرا کے پیش کردہ ریکارڈ کے مطابق چند سال میں ہی ہزاروں لوگ نادرا کے ریکارڈ میں اپنا مذہب ''اسلام'' سے تبدیل کرا کے ''احمدی'' لکھوا چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اِس صورتِ حال کے پیشِ نظر کچھ احباب نے اِس پہلو پر خصوصی توجہ دی اور اِس کے لیے قانونی راستہ اختیار کیا اور باقاعدہ نظر رکھی کہ جہاں کہیں قادیانی جمعہ، نماز، قربانی وغیرہ کا اہتمام کرتے دکھائی دیئے، اُن کے خلاف ایف آئی آرز درج کروائیں اور اُنھیں باز رکھنے کے لیے ممکنہ قانونی اقدامات کیے۔

گزشتہ عید قربان سے قبل بھی ختم نبوت کے میدان میں کام کرنے والی مختلف تنظیموں نے عوام الناس کو چوکنا اور خبردار کرنے کے لیے اِس حوالے سے اعلانات نشر کیے، جن میں ایک اعلان ''شبان ختم نبوت'' کی طرف سے جاری کیا گیا تھا کہ جہاں کہیں قادیانی قربانی کرتے نظر آئیں، اُن کے خلاف قانونی کاروائی عمل میں لائی جائے۔ اِس اعلان پر قادیانی سہولت کار عمار خان غامدی نے درج ذیل تحریر نشر کی:

''اہل اسلام یہ ذمہ داری ضرور اَدا کریں، لیکن یہ سمجھ لیں کہ آئین اور قانون میں دراصل پابندی کس بات کی ہے۔ سپریم کورٹ کی تشریح کی روشنی میں قادیانیوں کے خود کو مسلمان ظاہر کرنے یا اسلامی شعائر کے اظہار سے لوگوں کو یہ تاثر دینے پر قانونی پابندی ہے، لیکن وہ اپنی چار دیواری میں ہر وہ مذہبی عمل کر سکتے ہیں جو ان کا مذہب انھیں سکھاتا ہے۔ اس لیے ان کی چار دیواری کے اندر مداخلت کرنے یا اس پر ہنگامہ کھڑا کرنے کا، آئین مسلمانوں کو حق نہیں دیتا، بلکہ قادیانیوں کو مذہبی تحفظ دیتا ہے۔ اس وضاحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ضرور یہ ذمہ داری ادا کریں۔''

حالانکہ اُصولی طور پر جب تک قادیانی:

[۱]- ''آئین'' کو پوری طرح تسلیم کر کے اپنا غیر مسلم و کافر ہونا قبول نہیں کر لیتے۔

[۲]- اپنے مذہب کا نام اور اُصول و فروع (اسلامی اصطلاحات سے الگ) مقرر نہیں کر لیتے۔

تب تک اُن کے بارے میں یہ کہنا کہ آئین اُنہیں فلاں فلاں چیز کی اجازت دیتا ہے، نری قادیانیت نوازی ہے، جس کی بنیاد پر لے درجے کی جہالت یا انتہا درجے کے تعصب و ہٹ دھرمی و بے شرمی کے سوا کچھ نہیں!

عمار خان کی اِس تحریر کے جواب میں لکھی گئی بے شمار تحریرات میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں:

(۱)......''انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ'' کے امیر مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد! آئین پاکستان میں متفقہ طور پر قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی وجہ سے حکومت پنجاب کی طرف سے حسب سابق قادیانیوں پر عید الاضحیٰ کے موقعہ پر شعائر اسلام قربانی کرنے پر پابندی لگا رکھی تھی، اور اس کی خلاف ورزی پر چناب نگر سمیت کئی

مقامات پر باضابطہ مقدمات کے درج کرتے ہوئے پولیس نے ان کے خلاف قانونی کاروائی کی، جس پر جہاں قادیانیت اور قادیانی نواز انسانی حقوق کی تنظیموں اور لادین طبقہ کی چیخ وپکار اور تکلیف سامنے آئی وہاں انتہائی دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کے پوتے مولانا عمار خان ناصر کی طرف سے بھی قادیانیوں کی حمایت اور مقدمات کے درج کرنے کے خلاف متنازعہ بیان سامنے آنے پر دینی و مذہبی حلقوں بالخصوص ''انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ'' اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے عنوان پر کام کرنے والی دیگر جماعتوں میں بھی شدید تشویش اور اضطراب کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

قادیانیت دجل وفریب کا نام ہے اور وہ کسی آئین وقانون کو نہیں مانتے اور نہ ہی انہوں نے آج تک اپنے آپ کو آئین پاکستان کی روشنی میں غیر مسلم اقلیت تسلیم کیا ہے، جبکہ باقی غیر مسلم اقلیتوں نے آج تک اپنے آپ کو نہ مسلمان کہا ہے اور نہ ہی شعائر اسلام کو انہوں نے اختیار کیا ہے۔

جب آئین پاکستان میں کسی کو بھی گھر کی چار دیواری میں بھی ملک دشمن سرگرمیوں کی اجازت نہیں تو پھر قادیانیوں کو عید کے روز شعائر اسلام ''قربانی'' کرنے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کیسے اجازت دی جاسکتی ہے؟

قادیانیوں کے حق میں مولانا عمار خاں ناصر کا موقف عقیدہ ختم نبوت اور آئین پاکستان کے منافی اور نا قابل برداشت ہے، لہٰذا مولانا عمار خان ناصر اپنے اس متنازعہ موقف اور طرز عمل سے فوری رجوع کریں۔ والسلام: (مولانا) ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ امیر مرکزیہ انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ 5رجولائی 2023ء

(۲)......مولانا عبدالرؤف فاروقی:

جناب ڈاکٹر عمار ناصر۔۔اور ان کے ہم آواز دانشوروں کی خدمت میں:

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی متفقہ قرارداد قومی اسمبلی سے 7رستمبر 1974ء کو منظور ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں آئینی ترمیم کے ذریعہ آئین پاکستان میں ان کی حیثیت متعین کردی گئی۔ 26راپریل 1984ء کو امتناع قادیانیت آرڈیننس منظور ہوا، اب یہ قانون ہے۔

مرزائیوں نے اس کے خلاف اعلیٰ عدالتوں سے رجوع کیا، دلائل دیئے، انہیں اپنا موقف اور دلائل پیش کرنے کا پورا موقع فراہم کیا گیا، لیکن وہ اپنا موقف ثابت کرنے اور عدالتوں کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے۔ اس قانون کے مطابق انہیں اسلامی اصطلاحات اور شعائر کو استعمال اور اختیار کرنے سے روک دیا گیا۔ جزوی طور پر اس قانون پر عمل ہوتا رہا۔ حالانکہ پوری طرح عمل پہلے دن سے ہونا چاہئے تھا۔

حال ہی میں جناب ڈاکٹر عمار ناصر کی طرف سے آواز بلند ہوئی کہ اگر وہ اس قانون کی خلاف ورزی اپنی چار دیواری میں کرتے ہیں تو اسے قابل دست اندازی پولیس قرار دے کر انہیں روکنا اور ان پر

مقدمات قائم کرنا ان کے بنیادی انسانی حقوق اور شخصی آزادی کے خلاف ہے، اور ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ پھر اس آواز کی تائید میں بھی کچھ آوازیں بلند ہوئیں۔ فضاء میں ارتعاش ہے اور مذہبی حلقوں میں متضاد آراء کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ میرا منصب اور علمی مقام یہ ہرگز نہیں کہ فقہی و قانونی پہلوؤں پر تجزیہ پیش کروں۔ ایک دو سوال اور ایک تجویز پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں:

1- ملکی قوانین کی خلاف ورزی' چار دیواری کے اندر اور اپنے گھر میں اس طرح کرنا کہ باہر کسی کو اس کی خبر نہ ہو' صرف اس قانون امتناع قادیانیت سے متعلق ہوگا جس کے سلسلہ میں یہ متجدد، دانشور اور انسانی ہمدردی کے نام پر ہر طرح کے طبقوں میں قابل قبول اور معتبر قرار پانے کی مرض میں مبتلا حضرات آواز بلند فرما رہے ہیں یا تمام ملکی قوانین کے لئے یہی فارمولہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص، گروہ یا طبقہ بند کمرے میں، چار دیواری کے اندر اپنے گھر میں منشیات فروشی، جعلی کرنسی کا کاروبار، شراب نوشی، زنا کاری اور ناچ گانے رقص و سرود کی محفل کا اس طرح راز داری کے ساتھ اہتمام کرے کہ باہر گلی میں حتی کہ پڑوسیوں تک اس کی آواز نہ جائے اور کسی کے آرام میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا ہو تو کیا انہیں بھی اس کا حق ہوگا اور یہ ان کے بنیادی انسانی حقوق اور شخصی آزادی کے زمرے میں آئے گا؟

2- اس قانون کو بنے اَب چالیس سال ہونے کو ہیں۔ اب آ کر مرزائیوں نے خود عدالتوں سے ایک دفعہ پھر رجوع کرنے، اس قانون کو شخصی آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہونے کا رونا رو کر اس کو ختم کرنے کی آواز بلند کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے یا ہمارے ان متجدد دانشوروں کو ان سے ہمدردی کا درد، از خود محسوس ہوا ہے!؟ یا پھر مرزائیوں نے ان حضرات کو ہر آئین شکن گروہ کا ہمدرد اور سہولت کار سمجھتے ہوئے ان سے رابطہ کیا ہے اور کسی قیمت پر انہیں آمادہ کیا ہے کہ یہ آواز بلند کی جائے اور اس کے لئے سوشل میڈیا پر پتھر پھینک کر پر سکون فضاء میں ارتعاش پیدا کرنے کی حکمت عملی طے ہوئی ہے؟

میری تجویز یہ ہے کہ: اگر واقعی ان حضرات کو مرزائیوں سے ہمدردی ہے تو اس طرح مذہبی فضا کو گدلا کرنے کے بجائے انہیں (مرزائیوں کو) مشورہ دیں کہ:

[۱]- آئین پاکستان میں دی گئی اپنی حیثیت کو تسلیم کریں اور آئین سے بغاوت کا ارتکاب چھوڑ دیں۔

[۲]- باہم مشاورت سے اپنے مذہب کا کوئی نام تجویز کریں اور اس کی اصطلاحات کا خاکہ تیار کریں۔ جس طرح مصور پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے متحدہ ہندوستان کے دور میں اس کا مطالبہ کیا تھا اور پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ اُن کی خط و کتابت اس کی شاہد ہے۔ اس طرح اپنی مذہبی رسومات کے لیے ایام اور ان کے لئے عنوان، اسلام اور مسلمانوں کی عبادات اور ایام سے مختلف ہوں گے تو کوئی اُن میں نہ مداخلت کرے گا نہ رکاوٹ ڈالے گا۔ جس طرح آئین میں باقی اقلیتوں: ہندو، سکھ، بدھ، عیسائی، پارسی

وغیرہ کے لیے ان کی مذہبی آزادیوں کو تحفظ دیا گیا ہے، مرزائیوں کو بھی تحفظ حاصل ہوگا اور اس طرح کی تمام تکلیفوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

امید ہے ان سوالات اور اس تجویز پر ملک، قوم اور فرقہ وارانہ رواداری کے وسیع تر مفاد میں غور کیا جائے گا۔ (جاری کردہ: محمد اسامہ حقانی، ناظم اعلیٰ: مرکز تحقیق اسلامی پاکستان)

(۳)......مولانا اللہ وسایا [مرکزی راہنما: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عید کے باعث فقیر ایک ہفتہ دیہات میں رہا۔ جہاں سگنل نہ ہونے کے باعث بالکل بے خبر رہا۔ اب ۵ر جولائی کی صبح ملتان میں مولانا ڈاکٹر سعید عنایت اللہ صاحب مدظلہم کا مکہ مکرمہ سے فون آیا۔ مولانا حافظ محمد طاہر اشرفی صاحب کا صوتی پیغام بھی مدینہ منورہ سے آمدہ سنا۔ مولانا زاہد محمود قاسمی صاحب کے جواب میں مولانا زاہد الراشدی صاحب کا مکتوب بھی پڑھا۔

اِس سلسلہ میں واضح ہے کہ مولانا عمار خان ناصر اکثر و بیشتر قادیانیوں کے متعلق ایسی رائے کا اظہار کرتے ہیں جس سے امت کے متفقہ موقف کو نقصان اور قادیانیوں کا فائدہ مترشح ہوتا ہے۔

فقیر نے ہمیشہ زبانی کلامی اور تحریر کے ذریعہ ان کو اس روش سے روکا۔ اب قادیانی اور قربانی کے عنوان پر ان کا رویہ سامنے آیا۔ اس کا بھی نتیجہ قادیانی فائدہ نظر آتا ہے جو انتہائی قابل مذمت ہے۔ مولانا عمار نے قادیانی کفر کی سنگینی، ان کو دعوت اسلام، مسلمانوں کو قادیانیوں کی کفریہ اور ارتدادی سرگرمیوں سے باخبر کرنے کی بابت کبھی کچھ فرمانے کی بجائے کوئی قادیانیوں کے خلاف اقدام ہو تو اس اقدام کی مذمت اور نتیجۃً قادیانی طرف داری پر ان کا قلم متحرک ہو جاتا ہے۔ جناب پرویز الٰہی کے دور میں نکاح فارم میں ختم نبوت کا حلف نامہ شامل ہوا، قادیانیوں کو تکلیف ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، مولانا عمار ناصر صاحب کا اس اقدام کے خلاف استہزاء اور ہتک آمیز رویہ ناقابل فہم تھا۔ مولانا عمار ناصر قادیانیوں کو قانون کا پابند بنانے، آئینی فیصلہ کو ماننے اور ان کے کفر کی سنگینی کی بجائے جب کبھی بات کرتے ان کے مفاد کی کرتے ہیں۔ یہ رویہ ناقابل قبول ہے اور لائق ترک ہے۔

نئی دلیل چاردیواری کی: محترم! کوئی ایسا اقدام جس سے وہ خود کو مسلمان ثابت کرنا چاہیں قانوناً بھی ممنوع ہے۔ قربانی شعائر اسلام میں سے ہے اور قادیانی شعائر اسلام شرعاً وقانوناً ظاہراً وباطناً استعمال نہیں کرسکتے۔ اس کے لئے علماء سے فتویٰ کی نئی چال؟

کیا کل کی بات نہیں کہ مولانا محمد امین اوکاڑوی کو آپ کے امیر نے ایک عبارت نقل کرنے پر زندیق قرار دیا، پھر رجوع کیا۔ نقل عبارت جرم اور جس کی عبارت نقل کی وہ کون؟ اور وہ ہیں حضرت علامہ

ابن کثیرؒ۔

جس فیصلہ کا ذکر کیا، جنہوں نے بغیر مشاورت کے پیروی کی اور غلط رولنگ لے کر آ گئے، اُن حضرات کو بھی اِس طرزِ عمل کی اصلاح کے لئے کیا کیا جتن کئے، کن کن کے دروازہ کا پانی بھرا، وہ ایک مستقل باب ہے۔ بعض باتیں نہ اُگلی جائیں نہ نگلی جائیں، یہ ان نادان دوستوں کی وجہ سے درپیش۔ الحمدللہ صحیح سمت پر اپنی محنت جاری ہے جو کچھ ہوا کریم کے کرم سے ہوا، جو ہوگا کریم کے کرم سے ہوگا۔

مولانا زاہدالراشدی صاحب سے استدعا ہے کہ وہ مولانا عمار ناصر کے موقف کی خاطر نئے فتویٰ جات اکٹھے کرنے کے عمل سے دوستوں کو روکیں اور اس عزیز کو بھی قادیانیوں کے مفاد کی بات کرنے سے روکیں۔ تحفظ ناموس رسالت پر فقہ حنفی کی ایک جزئی کو لے کر پورے قانون کو داؤ پر لگانے کا نیا پنڈورا بکس، آخر کیا کرنا چاہتے تھے۔ گویا پوری فقہ حنفی نافذ ہے صرف ایک جزئی رہ گئی؟ انا للہ وانا الیہ راجعون!

نئے فتاوی جات کی بجائے اپنے مسکین غلام سے فرمادیں کہ قادیانیوں کو نتھ ڈالنے کی یہ ضرورت ہے، یوں پوری ہوسکتی ہے، پھر دیکھیں کہ تعمیل ارشاد کیسے ہوتی ہے۔ ہمیشہ جس راستہ پر چلتے رہے اُسے ترک نہ کریں۔ آپ کے گھر سے یہ صورت حال بہت ہی ایذاء واذیت کا باعث ہے۔ جو حکم فرمائیں تعمیل ہوگی۔ نئے تجربات، نئے فتن کا باعث ہوں گے۔ والسلام فقیر، اللہ وسایا، ملتان ......۵ رجولائی ۲۰۲۳ء

(۴)......مولانا مفتی محمد طیب [مدیر: جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد]

ہمارے اکابر: مجاہدینِ ختم نبوت یا مداہنین؟

ابھی حج کے بعد حرمین شریفین میں ہی تھا کہ امتناعِ قادیانیت قانون کے بارہ میں فیس بک پر کچھ پوسٹیں چل رہی تھیں، وہیں پاکستان کے چند جید علماء نے بندہ کو فون پر کچھ اظہارِ رائے کا تقاضا کیا، سفر سے واپس پہنچ کر استخارہ کرکے یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ختمِ نبوت کا تاج صرف اور صرف سید الانبیاء امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سجایا ہے۔ گو اللہ تعالی نے ہی ختمِ نبوت کی حفاظت کرنی ہے لیکن حق تعالیٰ مسئلہ ختم نبوت کے لیے اپنے محبوب بندوں سے خون پسینہ کی قربانی لیتے رہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اکابر صحابہ نے ختمِ نبوت کے مسئلہ پر سب سے زیادہ قربانیاں دے کر اس وقت کے انکارِ ختمِ نبوت کے فتنہ کا سدِ باب کیا۔ مختلف ادوار میں جھوٹے مدعیانِ نبوت آتے رہے اور امت میں سے اللہ کے منتخب بندے ان کے فتنہ کی سرکوبی کرتے رہے۔

بندہ کی ناقص معلومات کے مطابق تاریخ اسلام میں مسیلمۂ کذاب کے فتنہ کے بعد مسیلمۂ پنجاب کا فتنہ بڑا اور زیادہ پھیلنے والا اور زیادہ نقصان دہ ہے، کیونکہ ان کے آقاؤں کی حکومت اس وقت دنیا کی بڑی

حکومت تھی اور اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء ومشائخ رحمہم اللہ کو مسئلۂ ختمِ نبوت کی مساعی کے لیے قبول فرمایا۔ ختمِ نبوت کے لیے جدوجہد کے مختلف ادوار آئے (جن کی تفصیل کا اس مختصر مضمون میں احاطہ کرنا مشکل ہے) پاکستان میں مسلسل قربانیوں اور تحریکوں کے بعد سنہ 1974ء میں آئینی ترمیم کے ذریعہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، پھر سنہ 1984ء میں ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعہ امتناعِ قادیانیت کا قانون پاس ہوا جس میں قادیانیوں کو شعائرِ اسلام کے استعمال سے روکا گیا، اس قانون کے نفاذ کے بعد علماء ومشائخ مسلمانوں کے ہر طبقہ کی طرف سے تحریر وتقریر، سیمینارز، جلسوں اور حکام سے ملاقاتوں کے ذریعہ اس قانون پر عمل درآمد کا پرزور مطالبہ چلتا رہا، مطالبہ کرنے والوں کی طرف سے کوئی کمزوری نہیں تھی، البتہ حکام اس مطالبہ پر عملدرآمد میں لیت ولعل سے کام لیتے رہے۔

اس سال قربانی کے موقع پر بعض جگہ حکام نے قادیانیوں کے قربانی کرنے پر قانونی نوٹس لیا تو گوجرانوالہ کے ایک لڑکے کے دل میں قادیانیوں کے بارہ میں نرم گوشہ بیدار ہوا اور کہا کہ امتناعِ قادیانیت قانون کا اطلاق صرف کھلے عام قانون کی مخالفت پر ہے۔

یہ بات اس نے قانون کی کس عبارت سے لی؟ سپریم کورٹ کے فیصلہ کے کس پیراگراف سے لی؟ بس ایسے ہی ہوا میں تیر چلا دیا، اگر آپ کی بات دلیل کے ساتھ ہے اور آپ مخلص ہیں تو کیا اس کے لیے فیس بک کا ہی فورم رہ گیا تھا؟ مجلس تحفظِ ختم نبوت میں قانونی تقاضوں پر غور وخوض کے لیے کوئی اور فورم نہیں؟ ایسی باتیں اصل مقصد سے توجہ ہٹانے کے لیے ہوتی ہیں۔

ایک عالم نے اس پر مزید اضافہ کیا جس کا حاصل یہ کہ: قانون کی نئی تشریح تسلیم کریں ورنہ 1984ء کے بعد کے تمام اکابرِ ختمِ نبوت جو موجود ہیں یا وفات پاگئے سب ختمِ نبوت کی تحریک میں مداہن قرار پائیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قانون کی شاذ تشریح اور اس کے اطلاق میں تقسیم آپ کی اور مداہن اکابر؟ یہ رویہ انتہائی قابلِ مذمت ہے۔

چونکہ گوجرانوالہ کا یہ جوان بزعم خود معلوم نہیں کس مقام پر فائز ہے کہ جہاں زبان وبیان کی تمام اَخلاقی پابندیاں اُٹھ جاتی ہیں، پھر چاہے اُمتِ مسلمہ کے مسلمات سے چھیڑ چھاڑ کرو یا ان کے جذبات سے کھیلو سب روا ہوتا ہے، مگر اِس نوجوان کی ہر تحریر پر حاشیہ لگا کر جلتی پر تیل کا کام کرنے والوں کو سمجھنا چاہیے کہ تمہاری اِس چند لفظی خطاء یا جلد بازی نے آپ کے اسلاف کی پگڑیاں فٹ بال کے میدان میں لا کر رکھ دی ہیں، اَب تو وہ سننا ہوگا جو سنا نہ جاسکے اور وہ پڑھنا پڑے گا جو پڑھا نہ جاسکے۔

جامعہ امدادیہ کا ماضی حال اور ان شاء اللہ استقبال انہی اسلاف کی تابندہ روایات سے جڑا ہوا ہے

جن کے نامہ اعمال میں دشمنان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی قسم کی کوئی مداہنت نہیں ہوتی، لہٰذا میں تمام محبین سے درخواست کروں گا کہ جامعہ اور اس کے کردار کو خواجہ خواجگان خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ سے لے کر آج تک اکابرین ختم نبوت کے تناظر میں دیکھا جائے۔

کسی ایک کشتی نوح سے اپنی تحقیق کے منہ زور گھوڑے پر بیٹھ کر اُتر جانے والے فرد کو ہمارا ترجمان یا امام اہل سنت کی لسان نہ سمجھا جائے، سیدھی راہ وہی راہ ہے جس پر ہمارے اکابر چلے، یہ اکابر تو اکابر ہیں ہم تو ان کی طرف اپنی ادنیٰ نسبت کو بھی اپنے لیے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اپنی شاذ تحکیکات میں بڑوں کو لانا بالکل نامناسب ہے۔

مجھے معلومات نہیں، سنا ہے کہ کسی عالم نے میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کو تحریک ختمِ نبوت کا مخالف لکھا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جس نے یہ بات کی ہے اس نے سورج پر تھوکنے کی کوشش کی ہے، لیکن اپنے والدین کے لیے لوگوں کو غلط بیانی کا موقع فراہم کرنا اور بلاوجہ فیس بک پر تبصرہ لکھ کر خود کو اور اپنے بڑوں کو کٹہرے میں کھڑا کر دینا یہ کوئی اسلام کی خدمت نہیں ہے، دِل بہت دکھا ہوا ہے، بس اتنے کو کافی سمجھ لیا جائے۔ عاقل بالغ انسان اپنے قول و فعل کا عنداللہ وعندالناس خود جواب دہ ہے۔

محمد طیب: جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد، 22رذوالحجہ 1444ھ 10رجولائی 2023ء

(۵)......مولانا محمد رضوان عزیز [مدیر: دارالعلوم ختم نبوت عارف والا]

جناب عمار خان ناصر صاحب کی تازہ پھل جھڑی:

بعض لوگ اپنے مقدر میں شہرت تو رکھتے ہیں مگر بدقسمتی سے ان کی شہرت ”جنگل میں مورنا چا“ والی کہاوت کی غماز ہوتی ہے، جناب شورش کاشمیری نے اپنی کتاب ”بوئے گل، نالۂ دِل، دُودِ چراغِ محفل“ میں لکھا ہے کہ: ”ہر شب کا چراغ متروکات سخن میں چلا جاتا ہے۔“

یہی حال ہمارے برادر محترم عمار خان ناصر صاحب کا ہے کہ سابقہ مذہبی پس منظر اور موجودہ مذہبی گیٹ اپ ان کو اغیار کی صفوں میں محبوب کل کے منصب سے محروم کیے ہوئے ہے، باوجودیکہ موصوف نے امت مسلمہ کے اجتماعی راستے سے ہٹ کر ہمیشہ شذوذ کی راہ اختیار کی اور ہمیشہ ٹیم کا وہ رکن رہے جو دوسری ٹیم میں زیادہ مقبول ہوتا ہے اور نہ ہی موصوف اپنوں کے حلقہ احباب میں کوئی قابل عزت مقام حاصل کر سکے، باوجودیکہ ان کا خاندان آسمان علم کا آفتاب بن کر تقریباً پون صدی سے برصغیر پاک وہند کی تاریخ پر چھایا ہوا ہے، لیکن جناب کے من کی ہنڈیا میں باسی کڑھی کی طرح ابلنے والے سرانڈزدہ افکار اہل السنۃ والجماعۃ میں بھی شرف قبولیت نہ پا سکے۔ اب نہ جانے کیا سوجھتی ہے کہ اپنے وجود کا احساس دلوانے کے لیے کبھی کبھی ایسی

انگڑائی لیتے ہیں کہ نا چاہتے ہوئے بھی بہت سے لوگوں کا موضوع بحث بن جاتے ہیں۔ان کے علم اور قابلیت پر تو کسی کو بھی شک نہیں، مگر یقین اس بات کا ہے کہ ایسے شکوک پھیلانے والے علم کی سند بلعم بن باعوراء سے تو مل جاتی ہے مگر امت کے سنجیدہ اہل علم سے رشتہ نہیں بنتا۔

گزشتہ دنوں پنجاب پولیس نے وطن عزیز میں آباد ایک غیر مسلم اقلیت کو اسلامی شعائر کے استعمال سے روکا اور کسی بھی اسلامی سٹیٹ کو یہ بھرپور حق ہے کہ وہ اپنے ملک کے قوانین پر عملدرآمد کروائے، لہٰذا گوجرنوالہ، لاہور، کشمیر اور دیگر کئی مقامات پر معصوم جانوروں کی کادیانیوں کے ہاتھوں حرام موت کو روکنے کے لیے پولیس نے ایکشن کیے، اس لیے کہ جانور کے بوقت قربانی ذبح کا ضابطہ ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے لیے ہو اور قربت کے لیے ہو جبکہ کفار اللہ کی بغاوت کے باعث اہل قرب میں سے ہیں ہی نہیں تو انہیں اس نام سے قتل عام کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟ لیکن موصوف شاید قانون نافذ کرنے والے اداروں سے زیادہ قانون جانتے ہیں، اس لیے چار دیواری کے اندر اس لاقانونیت کو اقلیتوں کے حقوق کے نام پر جائز قرار دے رہے ہیں، اب کادیانیوں کی اس مفت کی خیر خواہی پر انھیں نوبل انعام تو ملنے سے رہا لیکن اتنا ہمیں بھی یقین ہے ان شاء اللہ اگر کادیانیوں نے کوئی پس پردہ تحفہ دینے کی کوشش بھی کی تو موصوف اسے قبول نہیں کریں گے۔ پھر خواہ مخواہ ہر سوراخ میں جھانکنے کی عادت ختم کیوں نہیں کر دیتے؟

جناب محترم عمار صاحب! آپ کی بیان کردہ قانونی منہ شگافی نے تو پاکستان کے آئین تعزیرات دفعہ 121 اور 122 کی حیثیت کو بھی مشکوک کر دیا جس میں ملک عزیز میں کسی بھی قسم کی خفیہ سازش جو چھپ کر کی جائے اس کی سزا دس سال مقرر کی ہے، حالانکہ وہ ملک دشمن عناصر کی وہ سازش ہوتی ہے جو بند کمروں میں ہوتی ہے، اسے ریاست کے تحفظ کی خاطر برداشت نہیں کیا جاتا، تو جو آپ کادیانیوں کو ان کے اقلیتی حقوق دے کر اپنے گھروں میں قربانی کے نام پر جانور مارنے کی اجازت دے رہے ہیں کیا یہ ریاست کے اندر موجود مسلم اکثریت کے عقائد کے لیے خطرناک نہیں ہے؟ جب کادیانی اپنے اسی حرام گوشت کو غریب لاعلم مسلمانوں میں تقسیم کریں گے تو وہ کیا دوبارہ ان کو کافر سمجھیں گے؟ کیا اس کے ساتھ ان کے دلوں میں ان زنادقہ کے متعلق نرم گوشہ پیدا نہیں ہوگا؟

نیز آپ کی اس شِک کو سامنے رکھیں تو ہمیں پاک فوج اور امن نافذ کرنے والے تمام اداروں کی وہ محنت جس میں بسا اوقات بیچارے جان سے گزر گئے جس میں انہوں نے گھروں میں چھپ کر خودکش جیکٹس بنانے والوں کو پکڑا اور ملک وملت کو تباہی سے بچایا تو ہمارے اداروں کو انتظار کرنا چاہیے تھا کہ جب وہ دہشت گرد چوبرجی چوک میں یا یادگار لاہور میں اعلانیہ پریس کے سامنے یہ تخریب کاری کا نظم کرتے پھر ان

پر کاروائی کرتے؟ لیکن کیا کریں! گکھڑ منڈی کی یہ نئی فقہ ابھی گوجرانوالہ کی منڈی میں بھی نہیں پہنچی، ورنہ اَب تک ملک برباد ہو چکا ہوتا۔

برادر محترم! معلوم نہیں آپ حساس موضوعات سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں کیا ''راحت'' محسوس کرتے ہیں۔ ختم نبوت کے مسئلہ پر آپ امت کی حساسیت سے واقف نہیں ہیں کیا؟

باقی اگر آئین وقانون کی بات کریں تو قانون کا اطلاق پورے ملک کے لیے ہوتا ہے۔ آپ کیا ریاست میں نئی ریاستیں بنانا چاہتے ہیں؟ اگر دیگر غیر مسلم اقلیتوں کو تحفظ دیا گیا ہے اور ریاست ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرتی تو اس میں اور ان کادیانیوں میں جو فرق ہے کیا آپ وہ نہیں سمجھتے؟ ان لوگوں نے کبھی بھی اپنے کفر کو اسلام کے نام پر پیش نہیں کیا، جبکہ ان کادیانی زندیقوں نے ہمیشہ اپنے کفر کو اسلام بنا کر پیش کیا ہے۔ پھر ایک اسلامی ملک میں دو اسلام کیسے چل سکتے ہیں؟ جبکہ دونوں ایک دوسرے کے عدم اسلام کے قائل ہوں! ہم جس طرح کادیانیت کو اسلام نہیں سمجھتے، بعینہ اسی طرح آپ کے مخدوم جن کی آپ گاہے بگاہے اپنے افکار سے دانستہ یا نادانستہ خدمت کرتے رہتے ہیں وہ بھی پوری امت مسلمہ کو ولدالزنا اور کفار سمجھتے ہیں کیا آپ سے یہ باتیں اوجھل ہیں؟

نیز کادیانیوں نے خود کو کبھی بھی غیر مسلم اقلیت تسلیم نہیں کیا، تو پھر ان کے حقوق کس بات کے ہوئے؟ پہلے ان باغیوں کو قانون کے دائرے میں لائیں ان سے ان کا غیر مسلم اقلیت ہونا تسلیم کروالیں۔ پھر ان کی چاردیواری کی سرگرمیوں پر اپنے علوم سے وعظ فرمالینا، تب تک آپ کی باتیں سلسل القول ہی شمار ہوں گی۔

سردست آئین پاکستان کی ان دفعات کو بھی لفظ بہ لفظ یہاں لکھ رہا ہوں تاکہ واضح ہو جائے کہ کادیانی گھر کے اندر یا باہر کوئی بھی شعائرِ اسلام استعمال نہیں کر سکتے۔

[دفعہ 298-B۔ بعض متبرک ممتاز اشخاص یا مقامات کے لیے مخصوص القابات‘ اوصاف اور خطابات کا غلط استعمال

Misuse of epithets, descriptions and titles, etc., reserved for certain Holy Personages or places

(1) قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی یا کسی دیگر نام سے پکارتے ہیں) کا جو کوئی شخص ایسی باتوں کے ذریعہ سے جو تلفظ سے ادا کی جائیں یا لکھی جائیں یا نظر آنے والے نقوش کے ذریعے سے۔

(a) ماسوا آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خلیفہ یا صحابی کے کسی اور شخص کا بطور امیر المومنین،

خلیفۃ المومنین، خلیفہ المسلمین، صحابی یا ''رضی اللہ عنہ'' حوالے دے یا اس سے خطاب کرے۔

(b) ماسوا آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی کے کسی اور شخص کا بطور ''ام المؤمنین'' حوالہ دے یا اس سے خطاب کرے۔

(c) ماسوا آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان (اہل بیت) کے کسی رکن کے شخص کا بطور ''اہل بیت'' حوالہ دے یا اس سے خطاب کرے۔ یا

(d) اپنی عبادت گاہ کا بطورِ ''مسجد'' حوالہ دے یا اس کا نام ''مسجد'' رکھے یا اسے اس نام سے پکارے۔

اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی ایسی سزائے قیدی دی جائے گی جس کی میعاد تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ سزائے جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

(2) قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی یا کسی دیگر نام سے پکارتے ہیں) کا جو کوئی شخص ایسی باتوں کے ذریعے سے جو تلفظ سے ادا کی جائیں یا لکھی جائیں یا نظر آنے والے نقوش کے ذریعہ سے

''نماز'' کے لیے پکارنے کا وہ انداز یا شکل مختص کرے جو اس کے عقیدہ کی رو سے ''اذان'' ہو، اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی ایسی سزائے قیدی دی جائے گی جس کی میعاد تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔]

*[دفعہ 298-C۔ قادیانی گروپ کے کسی شخص کا اپنے آپ کو ''مسلمان'' کہنا یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا نشر و اشاعت کرنا

قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی یا کسی دیگر نام سے پکارتے ہیں) کا جو کوئی شخص بلا واسطہ یا بالواسطہ اپنے آپ کو ''مسلمان'' بنا کر پیش کرے یا اپنے عقیدے کا حوالہ بطور ''اسلام'' دے، یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا نشر و اشاعت کرے یا دوسروں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دے یا ایسی باتوں کے ذریعہ سے جو تلفظ سے ادا کی جائیں یا لکھی جائیں یا نظر آنے والے نقوش کے ذریعہ سے یا کسی دیگر طریق میں جو کچھ بھی ہو مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کرے اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی ایسی سزائے قیدی دی جائے گی جس کی میعاد تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ سزائے جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔]

نوٹ: (1) اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے دستور مجریہ 1973ء کی رو سے قادیانی گروپ یا

لاہوری گروپ کے اشخاص کو جنہیں احمدی یا عرف عام میں مرزائی بھی کہا جاتا ہے غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔

(2) مندرجہ بالا دفعات عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے وضع کی گئی ہیں۔عقیدہ ختم نبوت سے یہ مراد ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور آنحضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔اس کی تصدیق قرآن پاک کی سورۃ الاحزاب کی آیت 40 اور بعض صحیح احادیث نبوی سے ہوتی ہے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں ''خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔'' چنانچہ ختم نبوت کے عقیدے پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا اور اس سلسلہ میں قرآن پاک کے احکام اور احادیث نبوی کی روشنی میں اسلامی دنیا کے تمام ممتاز دینی علماء کے متفقہ فیصلہ کے مطابق ختم نبوت کا منکر شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

(۵)......مولانا منیر احمد علوی [مرکزی مبلغ: شبان ختم نبوت]

افسوسناک معاملہ ہے بلکہ عجیب حماقت ہے کہ قانون چاردیواری کے اندر قابل عمل نہیں رہتا اس فہم کے کیا کہنے!! قتل چاردیواری میں ہو تو جرم!! زنا چاردیواری میں ہو تو جرم!! چوری چاردیواری میں ہو تو جرم!! لیکن توہین رسالت، توہین اسلام اور ختم نبوت کی بغاوت چاردیواری میں ہو تو جرم نہیں!!؟؟

کسی کی بہن کی عزت کی پامالی چاردیواری میں کی جارہی ہو تو ایسے صاحب یہی دعوت دیں گے کہ جناب آپ اپنی بہن کی عزت کے دفاع کا حق رکھتے ہیں لیکن اس کی چاردیواری میں جاکر نہیں بلکہ جب وہ کھلے عام کرے تب آپ غیرت دکھائیں اور قانون کا سہارا لیں؟

غامدیت کا مسئلہ یہی ہے کہ یہ آہستہ آہستہ اپنے جراثیم منتقل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔مذکورہ مسئلہ میں بھی دیکھ لیں کہ عمار خان ناصر ایک شوشہ چھوڑ کر اہل اسلام کو باہمی بحث ومباحثہ میں الجھا کر خاموش تماشہ دیکھ رہا ہے۔اس وقت قادیانیت نوازی اور قادیانیت کو تحفظ دینے اور دلوانے میں جو کردار غامدیت کا ہے وہ خود قادیانیوں کا بھی نہیں ہے۔

قادیانیوں کو چاردیواری میں توہین اسلام، توہین رسالت اور ختم نبوت کی بغاوت کی اجازت دینا تو امتناع قادیانیت آرڈیننس کو غیر موثر بنانا ہے جس کے لیے پہلی آواز عمار خان ناصر لگا چکا ہے۔

بھلا ملک پاکستان میں قادیانی ذریت کی جرأت ہے کہ وہ اپنے کفر اور اپنی گستاخی برسر عام کریں؟

تحفظ ختم نبوت سے وابستہ افراد کو مصالحت چھوڑ کر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا ساتھ دینا چاہیے اور قادیانیوں کو راہ دلوانے والے کا بھرپور تعاقب اور رد کرنا چاہیے۔علوی غفرلہ

☆......☆......☆......☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں عدنان اور قحطان دو بھائی ہوئے، عدنان کی اولاد میں آنحضرت ﷺ ہوئے ہیں اور حضرت زیدؓ کا نسب قحطان میں جا پہنچتا ہے۔

حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن مجید میں آیا ہے (فلما قضی زید [احزاب:۳۷]) اسی طرح انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا۔ آپ کے والد کا نام حارثہ بن شراحیل تھا اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا، حضرت زید رضی اللہ عنہ لڑکپن میں اپنی والدہ کے ساتھ اپنے ننھیال گئے ہوئے تھے، اسی دوران آپ کے ننھیال پر ایک دشمن قبیلہ نے حملہ کیا اور اس زمانہ کے دستور کے مطابق حضرت زید بھی غلام بنا لئے گئے، بازار عکاظ میں میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان کے آقا سے حضرت حکیم بن حزامؓ نے چار سو درہم میں اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لئے خرید لیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جب آنحضرت ﷺ سے نکاح ہوا تو انہوں نے حضرت زیدؓ آنحضرت ﷺ کو ہدیہ کر دیئے، اس وقت حضرت زید کی عمر آٹھ برس تھی، ادھر حضرت زیدؓ کے والد حارثہ ان کی تلاش میں رات دن ایک کئے ہوئے تھے، اور اشعار بھی پڑھتے رہتے چند شعر ملاحظہ ہوں ۔

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل

احی یرجی ام اتی دونہ اجل

''میں زید پر رو رہا ہوں اور مجھے معلوم نہیں اس کا کیا بنا، آیا وہ زندہ ہے کہ اس کی امید رکھی جائے یا موت نے اس کو آ لیا ہے''۔

فواللہ ما دری و ان کنت سائل

اغالک سھل الارض ام غالک الجبل

''اللہ کی قسم اے بیٹے! اگرچہ میں نے تیرے بارے میں بہت پوچھا مگر مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ تجھے ہموار زمین نے غائب کر دیا ہے یا کسی پہاڑ نے چھپا لیا ہے۔''

تذکرنیہ الشمس عندطلوعھا

وتعرض ذکراہ اذا قارب الطفل

’’سورج طلوع کے وقت مجھے اس کی یاد دلاتا ہے اور غروب آفتاب کے وقت بھی مجھے اس کی یادیں ستاتی ہیں۔‘‘

جب حج کا زمانہ آیا تو حضرت زیدؓ کے قبیلہ کے کچھ لوگ حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ آئے، انہوں نے حضرت زید کو اور حضرت زیدؓ نے ان کو پہچان لیا، یہ لوگ جب واپس پہنچے تو انہوں حضرت زیدؓ کے والد کو ان کا پتہ بتا دیا، چنانچہ حضرت زیدؓ کے والد حارثہ اور چچا کعب مکہ مکرمہ پہنچ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ’’ہمارا بیٹا آپ کا غلام ہے، ہم اس کے بارے میں آپ سے بات کرنے آئے ہیں، آپ ہم پر احسان کیجئے، جو فدیہ بھی آپ طلب کریں ہم وہ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔‘‘ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ’’یہ تو کچھ مشکل بات نہیں، مَیں ابھی ان کو بلا لیتا ہوں، اُن سے اُن کی مرضی معلوم کر لیجئے، اگر وہ آپ کے ساتھ جانا چاہیں تو میں کسی فدیہ کے بغیر انہیں آپ کے حوالے کر دوں گا، لیکن اگر انہوں نے خود میرے ساتھ ہی رہنا پسند کیا تو جو شخص میرے ساتھ رہنا پسند کرے، اسے چھوڑ کر فدیہ لینا مجھ سے نہ ہو سکے گا۔‘‘ پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت زید کو بلوا کر ان سے پوچھا کہ: ان دونوں کو پہچانتے ہو......؟ حضرت زیدؓ نے فرمایا: ’’جی ہاں، یہ میرے والد ہیں اور وہ میرے چچا‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تم میرے ساتھ ایک مدت تک رہ چکے ہو، اب تمہیں اختیار ہے، چاہو تو میرے ساتھ رہو اور چاہو تو ان کے ساتھ!‘‘ حضرت زیدؓ نے جواب دیا: **ما انا بالذی اختار علیک احدا انت منی مکان الاب والعم.** ’’میں آپ کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، آپ میرے باپ بھی ہیں اور چچا بھی۔‘‘ باپ اور چچا نے جب یہ سنا تو چیخ پڑے اور کہا کہ: ’’زید تمہیں کیا ہو گیا؟ تم آزادی کے بجائے غلامی کو قبول کر رہے ہو اور اپنے باپ، چچا اور گھر والوں پر ایک اجنبی کو ترجیح دے رہے ہو؟‘‘ حضرت زیدؓ نے جواب دیا: ’’جی ہاں! میں نے ان کے پاس ایک ایسی چیز دیکھی ہے (حسن سلوک، اخلاقِ کریمانہ اور پیغمبرانہ محبت بھرا رویہ وغیرہ) کہ اس کے بعد ان کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔‘‘ آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو سنی تو ان کا ہاتھ پکڑ کر حطیم (کعبہ) کی طرف لے گئے اور بلند آواز سے فرمایا: یا من حضر اشھدوا ان زیدا ابنی یرثنی وارثہ ’’تمام لوگ گواہ رہیں کہ آج سے زید میرا بیٹا ہے۔‘‘ حضرت زیدؓ کے والد اور چچا نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی مطمئن ہو کر خوش دلی سے واپس چلے گئے، اس کے بعد لوگ حضرت زید کو ’’زید بن حارثہ‘‘ کے بجائے ’’زید بن محمد‘‘ کہنے لگے، یہاں تک کہ قرآن مجید میں سورۃ احزاب کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ حکم دیا گیا کہ منہ بولے بیٹے کو بھی اس کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارنا چاہیے۔

آنحضرت ﷺ کے دعوی نبوت کے بعد بچوں میں سب سے پہلے حضرت زیدؓ ہی اسلام لائے،

آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت ام ایمنؓ سے کر دیا تھا جس سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے، نیز آپ ؓ نے مختلف اوقات میں حضرت زینبؓ بنت جحش، حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ، حضرت درہؓ بنت ابی لہب، اور حضرت ہندؓ بنت العوام سے بھی نکاح فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: **احب الناس الیّ من انعم اللہ علیه و انعمتُ علیه** ''زید، جس پر اللہ کا بھی انعام ہوا (اسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے نوازا) اور میں نے بھی اس پر احسان کیا (آزادی وغیرہ) وہ مجھے بہت محبوب ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ما بعث رسول اللہ ﷺ زید بن حارثة فی سریة الا امره علیهم ''آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کو جس لشکر میں بھی بھیجا امیر لشکر بنا کر ہی بھیجا''۔

حضرت سلمہؓ بن اکوع فرماتے ہیں: غزوت مع النبی ﷺ سبع غزوات ومع زید بن حارثةؓ سبع غزوات یؤمره علینا رسول الله ﷺ ''میں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سات غزوات میں شرکت کی اور حضرت زید بن حارثہؓ کی ہمراہی میں سات معرکوں میں شریک رہا، آنحضرت ﷺ حضرت زید کو ہم پر امیر مقرر فرماتے تھے۔''

حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے، حضرت زید نے آکر دروازہ بجایا، فقام الیه حتی اعتنقه و قبله ''حضور ﷺ کھڑے ہوئے، حضرت زیدؓ سے معانقہ فرمایا اور حضرت زید کو بوسہ دیا''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قسم اٹھا کر فرمایا: وان کان لخلیقا لامارة ''زید امارت کی صلاحیت رکھتے ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میرے والد امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا وظیفہ مجھ سے زیادہ مقرر کیا ہوا تھا، میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: انه کان احب الی رسول اللہ ﷺ منك وان اباه کان احب الی رسول اللہ ﷺ من ابیك ''اسامہ تجھ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے اور اس کے والد سے حضور ﷺ کو تیرے والد سے زیادہ پیار تھا''۔

۸ ہجری میں غزوہ موتہ پیش آیا، اس معرکہ میں مسلمانوں کے سربراہ حضرت زیدؓ ہی تھے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنا خط دے کر روم کے بادشاہ یا بصریٰ کے حاکم کے پاس روانہ فرمایا، شُرحبیل بن عمرو غسانی (شُرحبیل، قیصر کی طرف سے شام کا امیر تھا) نے انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا، آنحضرت ﷺ کے یہ واحد سفیر ہیں جنہیں قتل کیا گیا، جب آنحضرت ﷺ کو ان کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ بے حد غمگین ہوئے اور ایک لشکرِ جرار شُرحبیل کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا

اور حضرت سیدنا زیدؓ بن حارثہ کو امیرِ عسا کر مقرر فرمایا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا: ''ان اصيب فجعفر بن ابی طالب على الناس فان اصيب جعفر فعبد الله بن رواحه'' (اگر حضرت زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر امیر ہوں گے، اگر وہ بھی شہادت سے سرفراز ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امارت سنبھال لیں گے۔)

اس مختصر لشکر کی قیادت حضرت زیدؓ بن حارثہ کر رہے تھے، وہ جھنڈا اٹھائے مسلسل برسرِ پیکار تھے، علَم لہرائے آگے ہی بڑھتے رہے، دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے لگاتار پیش قدمی کرتے رہے، یہاں تک کہ جانبازی اور جواں مردی کا مظاہرہ کرتے کرتے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی ۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک دخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جب آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی حضرت زیدؓ، حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، آنحضرت ﷺ کے یہ چہیتے صحابی اور آپ ﷺ کے عاشقِ زار مدینہ منورہ سے ایک ہزار کلومیٹر دور میدانِ موتہ میں آرام فرما ہیں۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(الاصابہ: ۶۴۵/۱، الاستیعاب، اسدالغابہ، جہان دیدہ: ۲۳۵)

آخر میں ایک ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو!

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے طائف سے ایک خچر کرایہ پر لیا، خچر والے نے شرط لگائی کہ میں اپنی مرضی کے راستہ سے لے جاؤں گا، میں نے منظور کر لیا، وہ مجھے ایک ویران جگہ لے آیا اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا، وہاں پہلے بھی اس انداز اور دھوکہ سے بہت سوں کو ناحق قتل کر چکا تھا، میں نے اس سے کہا: دعنی اصلی رکعتین ''مجھے دو رکعت پڑھنے کی مہلت دیجئے!'' اس نے اجازت دے دی، میں نماز سے فارغ ہوا، وہ مجھے قتل کرنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے کہا: یا ارحم الراحمین! میرا یہ کہنا تھا کہ وہاں غائب سے آواز آئی: لاتقتله ''اس کو مت قتل کر!'' وہ آدمی ڈر گیا، اِدھر اُدھر دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا، اُس نے پھر مجھے قتل کرنے کا اِرادہ کیا، میں نے پھر یاارحم الراحمین کہا، پھر آواز آئی، جب تیسری مرتبہ میں نے یہ کہا تو اچانک گھوڑے پر سوار ایک آدمی نمودار ہوا، اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک ہتھیار تھا اور ہتھیار کے سرے پر آگ کا شعلہ بھڑک رہا تھا، اس نے آتے ہی قاتل کو مار ڈالا۔ پھر کہنے لگا (میں فرشتہ ہوں اور) جب تو نے پہلی مرتبہ یا ارحم الراحمین کہا تو میں ساتویں آسمان پر تھا، جب تو نے دوسری مرتبہ کہا تو میں آسمان دنیا پر تھا اور جب تو نے تیسری مرتبہ اللہ تعالیٰ کو پکارا تو میں تیرے پاس آن پہنچا۔

☆......☆......☆......☆

انجم نیازی

سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سرورِ کونینؐ کی نعلین برداری ملی
جو فضیلت جس کو ملنی تھی اُسے ساری ملی

شافعِ دارین کی خدمت پہ وہ مامور تھا
جو تھا جس قابل وہی اُس کو ذمہ داری ملی

جنت الفردوس تھی بے تاب اُس کے واسطے
اُس نے خدمت کی تو اُجرت بھی بہت بھاری ملی

اوّل اوّل اُس نے دیکھی روشنی اسلام کی
اوّل اوّل رحمتوں کی اُس کو سرشاری ملی

ہاتھ خالی لے کے آیا تھا مگر جاتے ہوئے
اُس کو دولت دین و دنیا کی بہت ساری ملی

سید و فخرؐ دوعالم کی رفاقت کے طفیل
زیدؓ بن حارث کو سرداروں کی سرداری ملی

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد

مجلس: ۱۵

المجالس الحسنه

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ]

22 ردسمبر 2013ء......۱۹ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ بروز اتوار بوقت صبح سوا سات بجے، درس بخاری شریف

جسمانی بیماری اور روحانی بیماری:

فرمایا:......امام اہل سنت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ بڑا لمبا عرصہ بیمار رہے، یہاں ثریا عظیم ہسپتال میں بھی داخل رہے، یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے جامعہ محمدیہ کے دروازے پر تشریف لائے اور دعا فرمائی، یہ انہی کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔ بیماری اگرچہ طویل رہی تقریباً دس سال صاحبِ فراش رہے لیکن جب انتقال ہوگیا تو ہمارے ایک بھائی طاہر صاحب ہیں سیالکوٹ کے، انہیں خواب میں ملے اور فرمایا: سنگی ہن میری دوائیاں توں جان چھٹ گئی اے (میری دواؤں سے جان چھوٹ گئی ہے)۔

فرمایا:......حضرت لاہوری فرمایا کرتے تھے: جسمانی بیماری کتنی ہی طویل ہو اس کی انتہا موت پر ہو جاتی ہے۔ لیکن بعض روحانی بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جو دنیا و آخرت کو خسارے میں ڈال دیتی ہیں۔

فرمایا:......حسد بڑی خطرناک بیماری ہے، اگر اصلاح نہ ہو تو ہمارے پڑھنے پڑھانے کے ماحول میں بھی سرایت کر جاتی ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔

سندوں کو کیا کرنا:

فرمایا:......مجھے طلبہ کے اول دوم آنے کی خوشی نہیں ہوتی، خوشی تب ہے جب عرش پر اول آئیں، ایک دفعہ میں بھی اول آ گیا تھا، لیکن اللہ نے حضرت کے سائے کی برکت سے حفاظت فرمائی ورنہ یہ چیز بسا اوقات بڑی خطرناک بن جاتی ہے۔ دوسروں کی حقارت دل میں آ جاتی ہے۔ اللہ مہربانی فرمائے، اللہ رحم فرمائے۔ اگر اصلاح نہ ہو تو بعض دفعہ ایسی چیزیں ہمارے اندر بھی آ جاتی ہیں۔ نام نہیں لیتا ایک صاحب تھے انہوں نے پرچہ بنایا اور پرچہ بنانے کے بعد طلبہ کو وہاں سے سبق پڑھا دیا تا کہ اپنے مدرسے کے طلبہ اول آ جائیں۔

مسلمان کی سند اتباع سنت ہے:

فرمایا:......میرے عزیز! سندوں کا کیا کرنا؟ آپ کی درویشی آپ کی سند ہے۔ آپ کی ٹوپی آپ کی سند ہے، مسلمان کی سند اتباعِ سنت ہے۔

بڑوں کے پاس جانے سے دل بڑا ہوتا ہے:

صدقہ کی بابت بات کرتے ہوئے فرمایا: حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے والد صاحب حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے:

”ایک مرتبہ احقر موٹر میں اپنے والد صاحب کے ساتھ تھا، کسی جگہ گاڑی رکی، اور ایک سائل آدھمکا، آپ نے اپنی جیب میں سے کچھ نکال کر اسے دے دیا، احقر نے پوچھا کہ ابا جی! اس قسم کے سائل عام طور سے مستحق تو ہوتے نہیں، ان کو دینا چاہیے یا نہیں؟ اس کا جو عجیب وغریب جواب آپ نے دیا، وہ آج تک لوح دل پر نقش ہے، فرمایا: ہاں میاں! بات تو ٹھیک ہے، لیکن یہ سوچو کہ اگر ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے استحقاق ہی کی بنیاد پر ملنے لگے تو ہمارا کیا بنے گا؟“

[بحوالہ: میرے والد میرے شیخ: ۱۵۷]

فرمایا:...... جب سے یہ ارشاد پڑھا ہے کوشش کرتا ہوں کہ راستے میں آتے جاتے دیدیا جائے، بھائی عزیز اللہ ہیں، ان کے پاس ہوتا ہے بندوبست، جتنا آسانی سے ہوسکے۔

فرمایا:...... ”بڑے حضرات کے بڑے حوصلے، بڑے ظرف۔ بڑے حضرات کے پاس جانے سے آدمی کا دل بھی بڑا ہوتا ہے، ورنہ کوٹھیوں میں رہ کر تو دل تنگ ہی ہوتا ہے۔“

حدیث شریف کی برکت:

فرمایا:...... حدیث شریف کا سبق تو روحانی غسل ہے۔ طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف کے اسباق کی بڑی برکت ہے، وقت میں بھی برکت ہے، الحمدللہ سارے اسباق سے ظہر تک فارغ ہو جاتا ہوں، حالانکہ اولیٰ تک کے اسباق ہیں۔

حب جاہ کا علاج:

سبق کے بعد ملاقات کے دوران ایک صاحب نے ”تبلیغ دین“ سے ”حبِ جاہ“ کا باب پڑھنے کا بتایا اور عرض کیا کہ عمل بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا: بس کوشش کریں، لگے رہیں، جو بھی کام ہو اسے اللہ کا انعام سمجھیں، جب اپنی بڑائی کی طرف دھیان جائے تو فوراً اللہ کی کبریائی کی طرف دھیان جائے۔ میں عرض کروں:

جو آدمی ہر روز بیت الخلاء میں جائے اور اپنے ہاتھ سے گندگی صاف کرے وہ اپنے آپ کو بڑا کیسے سمجھ سکتا ہے؟

پھر فرمایا:...... ”الم نخلقکم من ماءٍ مھین“ [ترجمہ: کیا ہم نے تمہیں بے وقعت پانی سے پیدا نہیں کیا؟] کا مراقبہ کرتے رہیں، اللہ فضل فرمائیں گے، اللہ مہربانی فرمائیں گے۔

درود شریف میں کیا سوچے:

عرض کیا حضرت درود شریف پڑھتے ہوئے کیا دھیان کرنا چاہیے؟ فرمایا:......بس یہ کہ جو بھی درود پڑھا جائے وہ اللہ پاک کے پیارے حبیب ﷺ تک پہنچ رہا ہے۔فرشتے نام لے کر درود پہنچاتے ہیں۔

اللہ کا ذکر نور ہی نور ہے:

پھر فرمایا:......اللہ کے ذکر کی برکت ہی برکت ہے،نور ہی نور ہے،اللہ کا کوئی پیارا نام ہو وہ دودھ اور شہد کی طرح ہے۔ایک بھائی کہنے لگے:اللہ تعالیٰ کا پیارا نام لڈو، برفی اور گلاب جامن کی طرح ہے،دھیان سے کھائیں یا بغیر دھیان منہ کو میٹھا کرے گا۔اللہ کا نام دل کو روشن کرے گا۔حضرت اقدس مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے:ایک دفعہ دیا سلائی جلائیں تو اندھیرے کمرے میں روشنی ہو جاتی ہے،تو اللہ کے پیارے نام سے دل میں کتنا نور اور روشنی ہوگی،سوچ بھی نہیں سکتے۔

تصوف کا خلاصہ:

فرمایا:......میرے حضرت فرماتے ہیں تصوف کا خلاصہ دو چیزیں ہیں:''دوام طاعت [یعنی ہر وقت نیک حالت (نیک عمل یا نیک نیت) میں گذارنا] اور ذکر اللہ کی کثرت''۔[جب بھی زبانی مصروفیت سے فرصت ملے تو ذکر شروع کر دینا]

☆......☆......☆......☆

بقیہ صفحہ نمبر:48 (تنزیہ کے طمانچوں سے شبہات تشبیہ کا دَفعیہ)

[۷]-مجسمہ نصوص الصفات کو حسی معانی میں لیتے ہیں اور کبھی کبھی ان نصوص میں کوئی لفظ ثابت نہیں ہوتا لیکن اپنا مزعومہ مسلک ثابت کرنے کے لیے اپنی عقل نارسا سے وہ لگا لیتے ہیں۔مثلاً حدیث پاک میں (**ینزل اللہ تبارک وتعالی فی ثلث اللیل الآخیر**) آیا ہے تو یہ لوگ نزول کو حسی معنی میں لیتے ہیں اور بذاتہ کی قید اپنی عقل سے لگا لیتے ہیں۔اور اللہ تعالی کے لئے انتقال اور حرکت ثابت کرتے ہیں۔اور جب بحث کے دوران پکڑے جاتے ہیں تو فوراً کہتے ہیں کہ **لا یعقل** یعنی ان کا نزول ہماری عقل سے ماوراء ہے۔ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ'' **السابع انھم حملوا الاحادیث علی مقتضی الحس فقالوا ینزل بذاتہ وینتقل ویتحرک ثم قالوا لا کما یعقل**'' [دفع شبہ التشبیہ ۱۰۶]۔

امام ابن جوزیؒ کی ان سات باتوں کو پلے باندھ لیا جائے تو ان شاء اللہ کبھی بھی مسئلہ صفات باری تعالی میں وارد نصوص میں مسلک اہل السنۃ والجماعۃ سے قدم نہیں بھٹکیں گے۔

اللہ تعالی ہمیں صراط مستقیم مسلک اہل السنۃ والجماعۃ اشاعرہ رماتریدیہ پر ہمیشہ چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔ ☆☆☆☆

مولانا ابوایوب قادری، جھنگ
تسہیل وترمیم: حمزہ احسانی

امین الملۃ والدین پر ایک الزام کی وضاحت!

الحمدللہ و کفی سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد!

قارئین گرامی قدر! اَسلاف و اکابر کی تواریخ سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ اُمت کی جلیل القدر ہستیوں: ائمہ، اکابر علماء اور صوفیاء سے حسد وبغض رکھنے والوں نے ان پاکیزہ نفوس کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا، اگرچہ اِس سے حاسدین کا اپنا ہی نامۂ اعمال سیاہ ہوا اور نیک ہستیوں کے درجے بلند ہوئے۔ چنانچہ ترجمان اکابر اہل سنت دیوبند مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''المہند'' کے آغاز میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نائبین کی ہر زمانہ میں یہ حالت رہی ہے (کہ حاسدین وشریر لوگوں کے حسد وشرارت کا نشانہ بنتے رہے۔) اور یہ چیز ان کے لیے بلندیٔ درجات کا سبب ہے۔ اور امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الیواقیت والجواھر'' میں اس پر کئی صفحات رقم فرمائے ہیں اور نام بنام بتایا ہے کہ کن کن اکابر واسلاف کو بے جا طور پر تکفیر، تضلیل اور تفسیق کا نشانہ بنا گیا۔

ماضی قریب کے ایک درویش صفت عالم ربانی، علم وعمل کے پیکر، دفاع صحابہ واہل بیت کے میدان کے قائد وراہ نما، محسن سنیت، شیر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی انہی خوش نصیب حضرات میں سے ہے جنھیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس پہلو سے بھی اتباع نصیب ہوئی اور اُن پر ہر طرف سے حاسدین وباغضین کے نشتر چلے، مگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل اور خصوصی مدد سے' پہلے بھی شریر لوگوں کے طعن وتشنیع کو دفع فرمایا، آئندہ بھی ان شاءاللہ حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان اور عظمت کو کوئی داغدار نہیں کر سکے گا۔ اور اُن کی عزت وآبرو روز بروز بڑھتی چلی جائے گی۔

حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو اِس فانی دنیا سے گئے ہوئے بیس (۲۰) سال سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے، مگر اُنہوں نے فرقِ باطلہ ضالہ کے تعاقب وتردید میں دلائل و براہین کا جو مضبوط ومحکم ذخیرہ چھوڑا ہے، اُس کا نہ آج تک کوئی رَد کر سکا ہے، نہ ہی قیامت تک کوئی کر سکے گا، اِن شاءاللہ۔ ناصبیوں، یزیدیوں سمیت تمام اہل باطل اپنے غیض وغضب میں حیران وپریشان اور ویران وسرگردان ہیں، لیکن ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود نہ اُن سے حضرت کے دلائل کا جواب بن پڑے گا اور نہ ہی پہاڑ جیسے وزنی اِن دلائل کے بوجھ سے نکل کر انہیں کبھی سکون واطمینان نصیب ہوگا۔

کچھ عرصہ قبل ایک صاحب نے کتر و بیونت کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت کے مختلف حصے نقل کر کے ایک استفتاء تیار کیا، جس میں نہ حضرت کا نام لکھا، نہ کتاب کا، اور دھوکہ دیتے ہوئے استفتاء میں اپنا من گھڑت تاثر پیش کر کے وہ استفتاء مختلف مدارس کو بھیج کر فتوے حاصل کیے۔ جو یقیناً اور خالصتہً رضا خانی طریقہ واردات ہے، عدل و انصاف سے بعید اور ظلم و دجل پر مشتمل اِس قسم کے اَفعال رضا خانی کیا کرتے ہیں، لیکن حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے بغض میں جلے بھنے یزیدی بھی رضا خانیوں سے پیچھے نہیں رہے، اور بے انصافی سے اس قسم کے ''کارنامے'' کرنے لگے۔

مگر وہ خاطر جمع رکھیں، اکابر اہل سنت دیوبند پر اِس قسم کے فتوے لگانا یا لگوانا کوئی نئی بات نہیں، پروفیسر مسعود کے بقول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر اُن کے حاسدین نے حرم شریف سے سترہ (۱۷) فتوے لگوائے۔ جبکہ خان صاحب بریلوی نے اکابر اہل سنت دیوبند کے خلاف فتوے پر حرم شریف سے دستخط کرائے۔ لیکن ان فتووں سے ان مقربان بارگاہ الٰہی کی نہ تو عزت وشان میں کوئی فرق آیا نہ قدر و منزلت میں، بلکہ ان کے مقام ومرتبہ، درجات عند اللہ اور قربات عند الرسول میں مزید اضافہ ہوا۔

چند تمہیدی باتیں:

ہم حاسدین کا اعتراض اور اس کا جواب نقل کرنے سے پہلے چند تمہیدی گزارشات پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں، قارئین سے گزارش ہے کہ یہ گزارشات بغور ملاحظہ فرمائیں!

(۱)- حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اور ہم (ابن کثیر) نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے ایک خطبہ میں یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ! تو جانتا ہے، اگر میں نے اسے اِس لیے ولی عہد بنایا ہے کہ وہ میری رائے میں اس کا اہل ہے تو اس کی ولایت کو پورا فرما اور اگر میں نے اس لیے اس کو ولی عہد بنایا ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے تو اس کی ولایت کو پورا نہ فرما۔'' آگے لکھتے ہیں: ''ان روایات سے معلوم ہوا کہ یزید والد کی حیات میں اپنے فسق کو چھپاتا تھا۔'' [تجلیات صفدر: ۵۷۲/۱]

حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں اِس قسم کی کھلم کھلا بے حیائیاں اُس نے نہ کی تھیں تو امیر معاویہؓ پر کیا اعتراض؟'' [تجلیات صفدر: ۵۹۴/۱]

(۲)- حضرت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''میرا موقف اپنا نہیں ہے، میں تو اکابر اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کا ترجمان ہوں۔'' [تجلیات صفدر: ۵۷۶/۱]

اور اکابر میں سے شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف خود حضرت اوکاڑویؒ نے لکھا ہے کہ: ''اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہؓ) کے سامنے نہ ہوا تھا۔ اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا

تھا اس کی اُن کو اطلاع نہ تھی۔'' [تجلیات صفدر: ۵۸۳/۱]

حضرت اوکاڑویؒ کے پیر و مرشد مظہر الملۃ والدین مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ، جو یقیناً اکابر اہل سنت میں سے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''اور ہمارے اکابر حضرات کی یہی تحقیق ہے اور اُنہوں نے ہر پہلو پر نظر کر کے یہ مسلک اختیار کیا ہے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند متوفی ۱۲۹۷ھ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کی تفصیلی بحث میں ارشاد فرماتے ہیں: (ترجمہ) ہاں! ان (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے انتقال کے بعد یزید نے پر پُرزے نکالنے شروع کیے اور دِل کو خواہش نفس اور ہاتھ کو جام شراب پر لے گیا، فسق کھلم کھلا کرنے لگا اور نماز چھوڑ دی۔'' [خارجی فتنہ: ۲۹۸/۲، ۲۹۹]

وکیل صحابہ واہل بیت، فاضل دیوبند مولانا محمد نافع مرحوم و مغفور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ نقل فرماتے ہیں کہ: ''حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو جب اپنا ولی عہد بنایا تو اس وقت وہ علی الاعلان فاسق نہیں تھا، اگر اس میں کوئی خامی اور تقصیر تھی تو وہ در پردہ تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہیں تھی۔'' .... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے کہ: یزید پہلے فاسق نہیں تھا، بعد میں ہوا۔ [سیرت سیدنا امیر معاویہؓ: ۲۳۵/۲]

(۳)۔ تیسری بات:

حضرت اوکاڑویؒ لکھتے ہیں: ''اُصولی طور پر تاریخی باتیں تین قسم کی ہوں گی:

[۱]۔ جن کو ہمارے (اہل سنت کے) عقائد کے موافق پا کر ہمارے اکابر نے قبول فرمالیا، وہ مقبول ہیں۔

[۲]۔ جن کو عقائد اہل سنت سے متصادم پا کر اکابر نے رَد کر دیا، وہ مردود ہیں۔

[۳]۔ جن کا ہمارے عقائد وغیرہ سے نہ تصادم ہے نہ تعاون۔ وہ بحیثیت تاریخ کے اکابر نے قبول کر لیں تو اُن کو لے لیا جائے گا۔ بہر حال ان (تاریخی روایات) کے رَد و قبول کا کام ہمارے اکابر کر چکے ہیں، ہمیں کسی نئی پریشانی کی ضرورت نہیں رہی۔'' [تجلیاتِ صفدر: ۵۵۰/۱]

(۴)۔ چوتھی بات:

حضرت تحریر فرماتے ہیں: ''آپ نے **ابو مخنف** کے بارہ میں ''لسان المیزان '' کی عبارت نقل فرمائی ہے۔ یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں جو جرح کی جاتی ہے، وہ یہ بتانے کے لیے (ہوتی ہے) کہ یہ (راوی) احکام، حلال وحرام کے بارے میں احادیث روایت کرنے

کے قابل نہیں، اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ کسی اور فن میں بھی قابل اعتماد نہیں۔ دیکھئے قاری حفص رحمہ اللہ کو محدثین نے ضعیف بلکہ کذاب تک لکھ دیا ہے، مگر اِس سے اُن کی قراءت پر قرآن کی تلاوت تو ناجائز نہیں ہوئی۔ امام غزالیؒ ابوطالب مکی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو نقل احادیث میں ''میزان الاعتدال'' میں ناقابل اعتماد قرار دیا ہے، مگر تصوف کے تو وہ امام ہیں، اس میں ان سے استفادہ منع نہیں ہے۔ کتنے فقہاء کرام کو نقل حدیث میں اسماء الرجال والوں نے ناقابل اعتماد قرار دیا ہے، مگر مسائل فقہ میں آج تک اُن کا فتویٰ چلتا ہے۔ محمد بن اسحاق کو احادیثِ حلال رحرام کی روایت میں کذاب ردجال تک کہا گیا ہے، لیکن تاریخ اور مغازی کے وہ امام ہیں۔ بالکل یہی حال **ابو مخنف** کا ہے۔.....ہم بھی اسے محدث یا مفتی نہیں مانتے، (بلکہ) مؤرخ مانتے ہیں۔'' [تجلیات صفدر:۱ر۵۵۰]

دوسری جگہ حضرت لکھتے ہیں: ''عظمتِ صحابہ کرام اور عدالتِ صحابہ کرام پر کتاب وسنت اور اجماع کی نصوص مثل آفتاب نیمروز (اور مثل) ماہتاب نیم ماہ روشن ہیں۔ اور تاریخ کی باتیں اُس وقت تک قابل قبول ہوں گی جب تک وہ کتاب وسنت اور اجماعی عقائد سے نہ ٹکرائیں۔ [تجلیات صفدر:۱ر۵۸۰]

مذکورہ بالا عبارات سے چند باتیں مفہوم ہوتی ہیں:

۱- حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اکابر اہل سنت کا نظریہ ہی پیش فرمانے والے ہیں۔ فسق یزید کا نظریہ بھی اُن کا اپنا تجویز کردہ نہیں۔ بلکہ اکابر اہل سنت کا ہی موقف ہے۔

۲- اور اکابر اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ یزید میں جو برائیاں تھیں وہ یا تو پیدا ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہوئیں، یا پھر وہ برائیاں پیدا تو اُن کی زندگی میں ہو چکی تھیں، لیکن اُن کو یزید کی برائیوں کا علم نہ تھا۔ حضرت اوکاڑویؒ کے نزدیک بھی مؤخر الذکر پہلو درست ہے۔

۳- تاریخی روایات میں سے صرف وہ روایات قابل قبول ہیں جو اہل سنت کے عقائد سے متصادم نہ ہوں۔ اور اہل سنت کے عقائد میں عظمت صحابہ اور عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اہم ترین باب بھی موجود ہے۔ لہٰذا تاریخی روایت صرف وہی قابل قبول ہوگی جس سے عظمت وعدالتِ صحابہ پر کوئی حرف نہ آتا ہو۔

یزیدی گروہ کا حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ پر بے جا اعتراض:

اب آیئے اصل اعتراض کی طرف! حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''طبرانی میں ہے کہ یزید نوجوانی میں ہی شراب پیتا تھا، اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ بیٹا ایسے کام نہ کرو جس سے مروت ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں۔ اور فرمایا: کم از کم دِن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو، اور جب رات آتی

ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔...الخ“ [تجلیاتِ صفدر:۱/۵۶۹]

معترض کا کہنا ہے کہ یہ روایت بلا تردید نقل کرنے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان ومقام پر حرف آتا ہے، اور اس کا ارتکاب حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔

جواب نمبرا: حضرتؒ نے اِس روایت سے فقط یزید کے فاسق ہونے پر استدلال فرمایا ہے:

(۱)-تمہید میں یہ بات عرض کی جا چکی ہے اکابر اہل سنت یزید کو فاسق قرار دینے کے ساتھ ساتھ اِس حقیقت کا اِظہار بھی کرتے چلے آئے ہیں کہ: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کے فسق وفجور سے لاعلم تھے، اُن کی حیاتِ مبارکہ تک یزید کی ایسی ویسی حرکتیں خفیہ وپوشیدہ تھیں۔ اِس سلسلے میں حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت مدنی، حضرت قاضی صاحب رحمہم اللہ کے حوالہ جات بھی پیش کیے جا چکے ہیں۔

اکابر کی اتباع میں حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کا بھی یہی نظریہ ہے، جو اُن کی عبارات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔لہٰذا اُن کی نقل کردہ کسی بھی روایت یا عبارت سے اگر اِس کے برخلاف کوئی تاثر ملتا ہے تو اُسے حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کا اپنا نظریہ یا تائید شدہ موقف قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(۲)-دوسری بات یہ ہے کہ اِس روایت کے دو حصے ہیں:

[۱]-ایک حصہ وہ جس میں یزید کی برائیوں پر مشتمل حرکات (فسق) کا تذکرہ ہے۔

[۲]-دوسرا وہ جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کی برائیوں سے باخبر ہونا مذکور ہے۔

نیز پہلے حصے سے ثابت شدہ مفہوم یعنی یزید کا فاسق ہونا تواتر سے بھی ثابت ہے۔اور دوسرا حصہ بظاہر عظمت وعدالتِ صحابی کے خلاف ہونے کی وجہ سے اجماعِ امت اور خود حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کے اپنے موقف کے بھی خلاف ہے۔لہٰذا اُصولِ حدیث کی رو سے اِس روایت کے اول حصہ سے فسق یزید پر استدلال کرنا' تواتر کی تائید کی وجہ سے درست ہوگا۔جبکہ دوسرے حصے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فسق یزید سے باخبر ہونے پر استدلال عظمتِ صحابہ کے منافی ہونے اور روایت کی سندی کمزوری کی وجہ سے درست نہیں ہوگا۔اور کسی روایت کے ایک حصہ کے ناقابل استدلال ہونے کے باوجود اس کے دوسرے حصے سے استدلال کرنا اُصول حدیث کی رو سے بالکل درست اور صحیح ہے۔

حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث کے پہاڑ اور فن اسماء الرجال کے بڑے ماہر تھے، نیز ایسی روایات کے سلسلے میں محدثین کے اختیار کردہ اُصول اور مذکورہ بالا روایت کی کمزور کیفیت سے بھی وہ بخوبی واقف تھے۔ نیز اُن کی گفتگو کا عنوان بھی 'فسق یزید'' ہی ہے، لہٰذا یہ بات تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اگر اِس روایت سے اپنے موقف پر استدلال کر رہے ہیں تو اُن کا استدلال محض فسق یزید کی حد

تک ہے۔

ایک حصہ نا قابل استدلال ہونے کے باوجود دوسرے حصے سے امام ابوداؤد کا استدلال:

حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ سے اِس کی بڑی واضح مثال ملتی ہے کہ اُنہوں نے ایک روایت کا ایک حصہ نا قابل استدلال ہونے کے باوجود پوری روایت نقل فرما کر اُس کے صرف دوسرے حصے سے استدلال فرمایا اور نا قابل استدلال حصے کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار فرمائی۔ چنانچہ امام ابوداؤدؒ نے ''**باب جلود النمور**'' کے تحت حدیث پیش کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے، جن میں حضرت معدیکرب رضی اللہ عنہ بھی تھے، دورانِ گفتگو کسی نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع دی تو حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے ''اِنّا للّٰہ'' پڑھی، ایک شخص کہنے لگا: اِس میں اناللہ پڑھنے والی کون سی بات ہے؟ حضرت مقدامؓ نے فرمایا کہ: اِس سے بڑھ کر پریشانی کی کیا بات ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کا انتقال ہوگیا ہے۔ تو وہ شخص کہنے لگا: ''**جمرة اطفأ ھا اللہ.**'' وہ تو ایک چنگاری تھے، جسے اللہ نے بجھا دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت مقدامؓ جلال میں آگئے اور حضرت امیر معاویہؓ سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا پہننے سے منع نہیں فرمایا؟ تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا: جی! منع فرمایا ہے۔ پھر حضرت مقدامؓ نے پوچھا کہ: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع نہیں فرمایا؟ تو حضرت معاویہؓ نے جواب دیا کہ: جی! منع فرمایا ہے۔ پھر حضرت مقدامؓ نے پوچھا کہ: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کے چمڑوں پر بیٹھنے سے منع نہیں فرمایا؟ تو حضرت معاویہؓ نے کہا: جی! منع فرمایا ہے۔ اِس کے بعد حضرت مقدامؓ کہنے لگے: اے معاویہ! یہ سب کچھ تمہارے گھر میں ہے۔ [ملخصاً ابوداؤد شریف: ۲/۲۱۶، مکتبہ حقانیہ]

امام ابوداؤدؒ کی نقل کردہ اِس حدیث میں بھی دو باتیں ہیں: [۱]- چند چیزوں کی حرمت کا بیان۔

[۲]- سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ان اشیاء محرمہ کا پایا جانا۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ جو علم حدیث کے بڑے ماہر اور مسلّم امام ہیں، اُنہوں نے اِس روایت میں مذکور حرام اشیاء میں سے درندوں کی کھال پر بیٹھنے کی حرمت پر تو استدلال کیا، لیکن روایت کے دوسرے حصے سے نہ کچھ استدلال فرمایا نہ اُس کے بارے میں کوئی تردیدی بات ارشاد فرمائی۔ کیونکہ اُنھیں معلوم تھا کہ روایت کا دوسرا پہلو عظمت وعدالتِ صحابہ کے خلاف ہے، نیز بقیہ نامی راوی کی وجہ سے یہ روایت بھی کمزور ہے، لہٰذا دوسرے حصے سے عظمتِ صحابہ کے منافی پہلو پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ (بقیہ نامی راوی پر علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''عبقات'' میں تفصیلی کلام کیا ہے۔ شائقین وہاں ملاحظہ فرمالیں۔)

حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے اِس طرزِ عمل سے معلوم ہوا کہ کسی روایت خصوصاً کمزور رِوایت کا ایک پہلو اُمورِ مسلّمہ فی الدین کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابل استدلال ہو لیکن اُسی روایت میں درج دوسرا مسئلہ دیگر روایت و دلائل کی وجہ سے ثابت شدہ ہو تو دیگر روایات کی تائید کے باعث اُس کم زور رِوایت سے بھی دوسرے مسئلے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے بھی اگر اس روایت سے اپنے موقف پر استدلال فرمایا ہے تو وہ بھی بعینہ اِسی طرز کا ہے کہ دیگر دلائل کی تائید کی وجہ سے فقط فسق یزید پر استدلال فرما لیا، اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید کے فسق سے باخبر ہونے پر استدلال نہیں فرمایا۔ اور چونکہ اکابر اہل سنت کی اتباع میں حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کا اپنا موقف بھی یہی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کے کرتوتوں سے لاعلم تھے، نیز حضرت اوکاڑویؒ کی زیر بحث تحریر سمیت دیگر تحریرات میں جا بجا اِسی موقف کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور مختلف قسم کی روایات درج کرنے کے بعد بحث کے اختتام پر حضرتؒ نے یہی موقف صاف اور واضح الفاظ میں درج بھی فرما دیا ہے، اِس لیے یہ روایت درج کرنے سے نہ تو سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ہی حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کی کوئی گنجائش ہے!

جواب نمبر۲: یہ الزامی حوالہ ہے، حضرت کا موقف نہیں!

اہل علم جانتے ہیں کہ مناظرین حضرات مخالف کو الزامی جواب بھی دیا کرتے ہیں۔ جس میں مخالف کے تسلیم کردہ اُصول وضابطہ کے مطابق گفتگو کی جاتی ہے۔ زمانہ حال و ماضی کے ''یزیدی'' اپنے پیرو مرشد یزید پلید کی براءت وصفائی پیش کرنے کے لیے تاریخی روایات کا بہت سہارا لیتے ہیں۔ مثلاً: یزید نے تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ وہ تو شہادت پر روتا رہا۔ وہ تو ابن زیاد پر لعنت کرتا رہا۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت اوکاڑویؒ نے' تاریخی روایات کا سہارا لیتے ہوئے یزید کا دفاع اور طرف داری کرنے والی ذہنیت کو سامنے رکھ کر یہ باتیں تحریر فرمائیں کہ اگر یزید کو عادل ثابت کرنے کے لیے تاریخی روایات کا سہارا لینا ہے تو پھر یہ بھی دیکھ لو، تاریخ کی کتاب ''البدایہ'' میں یہ بھی لکھا ہوا ہے۔

گویا حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کی پیش کردہ یہ روایت ایک تاریخی بات کی حیثیت رکھتی ہے، جو الزامی جواب کے طور پر پیش کی گئی ہے، اور الزامی جواب میں مخاطب کا تسلیم کردہ ضابطہ واُصول ہوتا ہے۔ جواب دینے والے کا اپنا نظریہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ حضرتؒ کا موقف ونظریہ نہیں!

الزامی جواب، جواب پیش کرنے والے کا اپنا نظریہ نہیں ہوتا، شاہ عبدالعزیزؒ کی مثال!

عیسائیوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے کے شہید ہونے کی پیشین گوئی تو فرمادی، لیکن اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے اُسے بچا کیوں نہیں لیا؟ تو شاہ صاحبؒ نے الزامی جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: حضورؐ نے درخواست کی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ظالموں نے میرے بیٹے کو سولی چڑھادیا، میں اُسے نہیں بچاسکا تو آپ کے نواسے کو کیسے بچاؤں!؟

ظاہر ہے کہ یہ بات حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے اعتقاد کے مطابق نہیں تھی بلکہ عیسائیوں کے ناپاک عقیدے کے مطابق تھی۔ لیکن الزامی جواب کے طور پر اُنہوں نے یہ بات عیسائیوں سے کہہ دی۔ اسی طرح حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے یزیدیوں کو الزامی جواب دیتے ہوئے یہ روایت نقل فرمادی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت اوکاڑویؒ اِس روایت کے مضمون سے متفق ہیں۔

یزیدی ٹولے کی طرف سے حاصل کیا گیا فتویٰ اور اہل افتاء سے گزارش:

حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین نے جو استفتاء تیار کر کے مختلف مدارس میں بھیجا تھا، اس میں چونکہ حضرت کا نام نہیں تھا، اِس لیے فتویٰ دینے والے اِس لحاظ سے لائق ملامت نہیں۔ کیونکہ وہ سوال کے مطابق جواب دیتے ہیں، اگر اُنھیں مطلع کیا جائے کہ یہ فلاں صاحب کی تحریر ہے، تو وہ اُن صاحب کی باقی تحریرات اور عملی زندگی سامنے رکھ کر اُن کی حیثیت وشخصیت کے مناسب حال فتویٰ دیں گے۔ اُصول افتاء اور شرعی احکامات کا تقاضا بھی یہی ہے، چنانچہ اہل علم جانتے ہیں کہ: ''**انبت الربیع البقل**'' کا جملہ اگر کافر کہے تو اُس کے عقیدے کے مطابق مفہوم مراد لیا جائے گا اور کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ جملہ کسی مسلمان کی زبان سے ادا ہو تو اس کا معنی ومفہوم مسلمان کے عقیدے کے مطابق ہوگا۔

اِسی طرح اگر بات کسی ایسی شخصیت کی ہو جو مسلک میں سند و حجت اور علم وفن میں مہارت رکھنے والی ہو تو اُن کی عبارت کا مطلب بھی اُن کے شایان شان ہی لیا جائے گا۔ اور اگر عام آدمی ہے تو مفہوم اس کے مطابق ہوگا۔

لہٰذا زیر بحث استفتاء کا جواب دینے والے اہل فتویٰ پر طعن تو نہیں، لیکن فتنوں کے اِس دور میں اہل فتویٰ سے یہ گزارش ضرور ہے کہ وہ پہلے یہ تحقیق فرمالیا کریں کہ فتویٰ کون لے رہا ہے؟ کس کے بارے میں لے رہا ہے؟ اور کس مقصد کے لیے لے رہا ہے؟ کہیں کوئی عیار و مکار فتنے باز، مفتیان کرام اور دارالافتاؤں کا نام اور فتوے اپنے مذموم مقاصد کے لیے تو نہیں استعمال کر رہا....!!

☆......☆......☆......☆

مولانا نیاز احمد اوکاڑوی حفظہ اللہ

”تجلیاتِ صفدر“ میں نقل کردہ ایک روایت کی تحقیق

سوال:

حضرت مولانا نیاز احمد اوکاڑوی صاحب حفظہ اللہ!

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہونگے!

حضرت! آپ کی متعدد تحقیقی کتابیں جیسے تسکین العنین، حیات انبیاء، کتاب الآثار وغیرہ پڑھنے کا موقع ملا، ماشاء اللہ خصوصاً فن رجال میں آپ کی تحقیق عمدہ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی اعتدال پر مبنی ہوتی ہے۔

حال ہی میں سوشل میڈیا پر ”تجلیاتِ صفدر“ میں نقل کردہ ایک روایت کو لے کر کچھ حضرات نے حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کے خلاف طوفان بدتمیزی کھڑا کیا ہوا ہے، اور اس پر کافی بحث مباحثہ تا حال جاری وساری ہے، لہٰذا برائے مہربانی آپ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

”تجلیاتِ صفدر“ میں نقل کردہ روایت درج ذیل ہے:

> ”طبرانی میں ہے کہ یزید نوجوانی میں ہی شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ: بیٹا! ایسے کام نہ کرو جس سے مروت ختم ہو جائے دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں اور فرمایا: ”کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت وعیش میں گزارتے ہیں۔“ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ نصیحت اس حدیث کے موافق ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی گندگیوں میں مبتلا ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرے۔ (البدایہ) باپ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یزید اپنے فسق کو چھپانے لگا......الخ۔“ (تجلیات صفدر: ۵۱۹/۱، ۵۲۰)

آپ نے روایت ملاحظہ فرمالی، اب اس پر میرے تین سوالات ہیں:

۱......اگر یہی روایت ”تجلیاتِ صفدر“ سے کوئی شیعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہمارے سامنے پیش کرے تو اس کو کیا جواب دیں گے؟

۲......کیا حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کا نظریہ یہی تھا کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ

رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں یزید کی غلط حرکتوں سے واقف تھے اور یزید سے کہا کرتے تھے کہ دن کی بجائے رات کو شراب نوشی کیا کر؟

۳......''تجلیات'' میں نقل کی جانے والی اس روایت کی فنی حیثیت کیا ہے؟

(سائل: حافظ محمد عبداللہ، دیپال پور)

الجواب:

حافظ محمد عبداللہ صاحب! آپ کا بہت شکریہ، اللہ کریم آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ آپ کے سوالات کے جوابات حاضر ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

اولاً......شیعہ حضرات ہمارے سامنے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس روایت سے نہ تو استدلال کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کو دلیل الزامی میں پیش کر سکتے ہیں، استدلال اس لیے نہیں کر سکتے کہ یہ روایت ہی سرے سے بلحاظ سند و متن صحیح نہیں۔ اور دلیل الزامی میں اس لیے پیش نہیں کر سکتے کہ دلیل الزامی کے لیے بھی دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ اول دلیل الزامی کے لیے کوئی بنیاد یعنی کوئی صحیح صریح تحقیقی اور استدلالی دلیل موجود ہو اور وہ شیعہ کے پاس ندارد۔

دوسرے: دلیل الزامی کے لیے ضروری ہے کہ وہ فریق مقابل کے مسلّمات کی روشنی میں ہو اور وہ دلیل صحیح اور غیر شاذ ہو جبکہ ''تجلیات'' میں نقل کردہ روایت خود علمائے احناف بلکہ خود حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ اور تمام محققین اہل سنت کے خلاف ہے بلکہ اکابر اہل سنت دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ...... کی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔

چنانچہ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد ابن خلدون رحمہ اللہ م ۸۰۸ھ: لکھتے ہیں:

فلم یکن لیعهد الیه وهو یعتقد ما کان علیه من الفسق حاشالله لمعاویة ذالک.(مقدمة ابن خلدون:۱/۳۶۵)

یزید میں ظاہری فسق و فجور جانتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ ذمہ داری اس کے سپرد کر دیں، حاشا و کلا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ چیز بعید ہے۔

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس

کی اطلاع ان کو نہ تھی۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام، ج:۱،ص:۲۷۱ مکتوب نمبر:۷۸)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کو اپنا ولی عہد بنایا تو اس وقت وہ علی الاعلان (کھلم کھلا) فاسق نہیں تھا اگر اس میں کوئی خامی اور تقصیر تھی تو وہ درپردہ تھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہیں تھی علاوہ ازیں جہاد میں اس کی صلاحیت اور حسن تدبیر مشہور ہے۔''

(تحقیق واثبات شہادت حسینؓ:۷۶)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ: یزید پہلے فاسق نہیں تھا بلکہ بعد میں ہوا۔ (سیرت امیر معاویہؓ، از: مولانا نافع:۶۴۰)

آگے جا کر باحوالہ ذکر کروں گا کہ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کا بھی یہی نظریہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں یزید کھلم کھلا بے حیائیوں کا مرتکب نہیں تھا۔

الغرض علمائے اہل سنت بالخصوص جب کہ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یزید کی برائیاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں نہیں تھیں تو پھر شیعہ حضرات کا ''تجلیات'' میں ''البدایہ'' کے حوالے سے نقل کردہ کمزور ترین روایت کو لے کر ہمارے خلاف دلیل الزامی میں پیش کرنا بھی باطل ہے۔

ثانیاً...... حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کا ہرگز یہ نظریہ نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کی غلط حرکتوں سے واقف تھے یا اسے رات کو شراب پینے کا کہتے تھے۔ دراصل جن حضرات نے حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کی کتب کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ بسا اوقات بطور الزام بھی روایات وعبارات نقل کر جاتے ہیں۔

اور ''تجلیات صفدر'' کی پہلی جلد میں ''البدایہ'' کے حوالے سے نقل کردہ جس روایت کو بنیاد بنا کر حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کے خلاف طوفان بدتمیزی کھڑا کیا گیا ہے یہ روایت بھی ابوریحان عبدالغفور نامی یزیدی کے خلاف بطور الزام نقل کی گئی ہے جسے حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کا نظریہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس روایت کے بطور الزام نقل کرنے پر ایک دلیل تو یہی ہے کہ ''تجلیاتِ صفدر'' کی اسی پہلی جلد میں حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہیں بنتا کیونکہ ان کی حیات میں یزید کھلم کھلا بے حیائیوں کا مرتکب نہیں تھا۔'' (تجلیات صفدر:۱ر۵۹۴)

نیز مشہور کتاب ''تریاق اکبر بزبان صفدر'' کے مرتب اور امین ملت حضرت مولانا محمد امین صفدر

اوکاڑوی رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا عبدالرزاق صفدر حفظہ اللہ (جو کہ مدرسہ دارالعلوم امینیہ بہاول پور کے مہتمم ہیں اور راقم الحروف کی معلومات کے مطابق ایک مضبوط اور راست باز ناقل ہیں) سے میں نے سوال کیا تو حضرت نے فرمایا:

''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میرے استاذِ محترم حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ یزید کے بہت زیادہ مخالف تھے اور یہ نظریہ رکھتے تھے کہ یزید فاسق، فاجر تھا تاہم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی برائیوں سے واقف نہیں تھے۔''

''تریاق اکبر'' کے صفحہ ۱۵ رپر دی گئی معلومات کے مطابق حضرت مولانا عبدالرزاق صفدر صاحب نے ۳ رمحرم ۱۴۱۹ھ بمطابق ۳۰، ۲۹ راپریل ۱۹۹۸ء کو جامعہ خیر المدارس کے شعبہ تخصص میں داخلہ لیا اور حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کے پاس پڑھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مولانا عبدالرزاق صفدر حفظہ اللہ نے ۱۹۹۸ء میں حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ سے سماع کیا ہے، ''تجلیاتِ صفدر'' کی پہلی جلد جس میں زیر بحث روایت ہے، ۱۹۹۶ء میں منظر عام پر آئی۔

راقم الحروف نے حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کے ثقہ وثبت شاگرد حضرت مولانا محمد اجود حقانی حفظہ اللہ (مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ حسینیہ علی پور) سے ''تجلیاتِ صفدر'' جلد اول میں نقل کردہ زیر بحث روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: جب ''تجلیاتِ صفدر'' کی پہلی جلد چھپی تو اس وقت میں حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کے پاس پڑھتا تھا، تجلیات کی اس روایت پر بعض مشائخ نے حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ سے وضاحت طلب کی تو حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یہ روایت میں نے بطور الزام لکھی ہے، ابوریحان عبدالغفور نامی شخص نے بعض ضعیف اور جعلی روایات کی بناء پر یزید کے فاسق فاجر ہونے کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی تھی تو اس پر میں نے بطورِ الزام کے یہ روایتیں نقل کردیں، جس سے میرا مقصود یہ تھا کہ اگر ضعیف اور جعلی قسم کی روایتوں سے ہی یزید کے فسق وفجور کے متنازعہ بنانا ہے تو پھر اس طرح کی روایتوں میں تو پھر یہ چیزیں بھی موجود ہیں تو کیا یزیدی حضرات یہ چیزیں مانیں گے؟''

راقم الحروف نے مولانا محمد اجود حقانی حفظہ اللہ کے بعد حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کے ایک دوسرے راست باز شاگرد حضرت مولانا سیف اللہ حفظہ اللہ (بھل بھکر، خطیب جامع مسجد کرنالوی) سے ''تجلیات'' کی اس روایت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

''میں مولانا محمد اجود حقانی حفظہ اللہ کے بیان کی لفظ بلفظ تائید کرتا ہوں، وہ سچ کہہ رہے ہیں۔''

حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کے تینوں اجلہ شاگرد بحمد اللہ تعالیٰ باحیات ہیں، جن سے بندہ کے نقل کردہ بیانات کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

پس ان صاف اور واضح صریح گواہیوں سے ثابت ہوا کہ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے ''البدایہ'' سے جو روایت نقل کی ہے وہ بطورِ الزام نقل کی ہے، اسے حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کا نظریہ قرار دینا درست نہیں۔(**واللہ اعلم باالصواب**)

ثالثاً......اب ''تجلیات'' میں ''البدایہ'' کے حوالے سے نقل کردہ روایت کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

طرق الروایة:

اس روایت کے طرق بمع متن درج ذیل ہیں:

۱......أنبأنا مُحَمَّد بن عبد الملک بْنِ خَيْرُونٍ أَنْبَأَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ ثَابِتٍ أَنْبَأَنَا أَبُو نعيم حَدثنَا مُحَمَّد بن عبد الله حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ الطَّبَرَانِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زَكَرِيَّا الْغِلابِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ عَائِشَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ فِي حَدَاثَتِهِ صَاحِبَ شَرَابٍ، فَأَحَسَّ مُعَاوِيَةُ بِذَلِكَ، فَأَحَبَّ أَنْ يَعِظَهُ فِي رِفْقٍ، فَقَالَ يَا بُنَيَّ مَا أَقْدِرُ عَلَى أَنْ تَصِيرَ إِلَى حَاجَتِكَ مِنْ غَيْرِ تَهَتُّكٍ يَذْهَبُ بِمُرُوئَتِكَ وَقَدْرِكَ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: يَا بُنَيَّ إِنِّي مُنْشِدُكَ أَبْيَاتًا، فَتَأَدَّبْ بِهَا وَاحْفَظْهَا، فَأَنْشَدَهُ: انصب نَهَارا فِي طلاب العلى * وَاصْبِرْ عَلَى هَجْرِ الْحَبِيبِ الْقَرِيبِ حَتَّى إِذَا اللَّيْلُ أَتَى بِالدُّجَى * وَاكْتَحَلَتْ بِالْغَمْضِ عَيْنُ الرَّقِيبِ بَاشِرِ اللَّيْلَ بِمَا يَشْتَهِي * فَإِنَّمَا اللَّيْلُ نَهَارُ الأَدِيبِ كَمْ فَاسِقٍ يَحْسَبُهُ نَاسِكًا * قَدْ بَاشَرَ اللَّيْلَ بِأَمْرٍ عَجِيبٍ غَطَّى عَلَيْهِ اللَّيْلُ أَسْتَارَهُ * فَبَاتَ فِي أَمْنٍ وَعَيْشٍ خَصِيبٍ ولَذَّة الاحمق مكشوفة يس * عى بِهَا كُلُّ عَدُوٍّ مرِيبٍ قَالَ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ: ذِكْرُ مُعَاوِيَةَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ إِنَّمَا هُوَ مَنْ قَصَدَهُ بِالشَّيْنِ وَذَلِكَ مِنَ الْغَلابِيِّ فَإِنَّهُ كَانَ غَالِيًا فِي التَّشَيُّعِ.(الموضوعات لابن الجوزی: ج ۲ ص ۲۷۸)

۲......أنبأنا أبو الفرج غيث بن على نا أبو بكر الخطيب أنا أبو نعيم الحافظ نا سليمان بن أحمد نا محمد بن زكريا الغلابى نا ابن عائشة عن أبيه قال كان يزيد بن معاوية فى حداثته صاحب شراب يأخذ مآخذ الأحداث فأحس معاوية بذلك فأحب أن يعظه فى رفق فقال يا بنى ما أقدرك على أن تصير إلى حاجتك من غير تهتك يذهب بمروئتك وقدرك ثم قال يا بنى إنى منشدك أبياتا فتأدب بها واحفظها فأنشده انصب نهارا فى طلاب العلا * واصبر على هجر الحبيب القريب حتى إذا الليل أتى بالدجى * واكتحلت بالغمض عين الرقيب فباشر

اللیل بما تشتھی * فإنما اللیل نهار الأریب کم فاسق تحسبه ناسکا * قد باشر اللیل بأمر عجیب غطی علیه اللیل أستاره * فبات فی أمن وعیش خصیب ولذة الأحمق مکشوفة * (تاریخ دمشق لابن عساکر:۶۵/۴۰۳)

تحقیق الروایة:

یہ روایت محمد بن حفص بن عمر بن موسیٰ البصری رحمہ اللہ سے ابن ابی عائشہ رحمہ اللہ نے روایت کی ہے جبکہ ابن ابی عائشہ رحمہ اللہ سے محمد بن زکریا الغلابی نے اور اس سے احمد بن سلیمان طبرانی رحمہ اللہ نے یہ روایت بیان کی ہے۔

پھر امام طبرانی رحمہ اللہ سے امام ابونعیم الحافظ رحمہ اللہ اور محمد بن عبداللہ رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ اور پھر امام ابونعیم الحافظ رحمہ اللہ سے امام ابوبکر خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اور اس سے امام ابوالفرج غیث بن علی رحمہ اللہ نے اور اس سے ابن عساکر رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔

جبکہ محمد بن عبداللہؒ سے امام ابونعیمؒ نے اور اس سے امام ابوبکر خطیب بغدادی رحمہ اللہ اور اس سے امام محمد بن عبدالملک رحمہ اللہ نے اور اس سے امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے یہ روایت بیان کی ہے۔

اس کے راویوں کا مختصر سا تعارف درج ذیل ہے:

(۱)......جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی رحمہ اللہ[م:۵۹۷ھ]:

امام ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد بن علی بن عبیداللہ بن عبداللہ بن جمادی الجوزی البغدادی رحمہ اللہ بغداد میں ۵۱۰ھ میں یا اس سے کچھ پہلے (۵۰۸ھ) میں پیدا ہوئے، بچپن میں ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ نے متعدد شیوخ حدیث جیسے محدث ابن ناصر رحمہ اللہ اور خطیبِ اصبہان ابوالقاسم عبداللہ بن محمد ابن سمرقندی رحمہ اللہ وغیرہم سے حدیث کی سماعت کی جبکہ ان سے امام حافظ عبدالغنی رحمہ اللہ، ابن نجار رحمہ اللہ اور ابن دبیثی رحمہ اللہ وغیرہم روایت حدیث کرتے ہیں۔ تحقیق حدیث میں متشدد ہونے کے باوجود فی نفسہ جلیل القدر، کثیر التصانیف ثقہ بالاجماع محدث وعالم تھے۔ چنانچہ امام حافظ ذہبی رحمہ اللہ م۷۴۸ھ نے آپ کو ''**الامام الحافظ، عالم العراق وواعظ الافاق** '' جیسے بلند پایہ القابات سے نوازا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ:۱۰۹۸)

(۲)......امام ابومنصور محمد بن عبدالملک بن الحسن بن خیرون[م:۵۳۹ھ]:

امام ابومنصور محمد بن عبدالملک بن الحسن بن خیرون بن ابراہیم البغدادی المقری الدباس رحمہ اللہ بھی راست باز راوی ہیں، آپ کی توثیق وتعدیل کے حوالے حاضر خدمت ہیں۔

☆......امام ابوحفص عمر بن محمد طبرزالدارفزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

محمد بن عبدالملک ''شیخ اور امام'' ہیں۔(انباہ الرواۃ علی انباہ النجاۃ:۵۸۸)

☆......حافظ ذہبی رحمہ اللہ م ۷۴۸ھ کہتے ہیں کہ:

محمد بن عبدالملک ''ثقہ اور نیک امام'' ہیں۔(تاریخ الاسلام:۴۵۱)

☆......امام ابن سمعانی رحمہ اللہ م ۵۶۲ھ لکھتے ہیں:

محمد بن عبدالملک ''شیخ فاضل ثقہ'' ہیں۔(الانساب للمسعانی:۳/۱۲۴)

☆......امام ابن جزری رحمہ اللہ م ۸۳۳ھ: کہتے ہیں:

ابن عبدالملک ''نیک بھلے اور قراءت میں امام'' ہیں۔(غایۃ النہایۃ:۳۲۰۹)

(۳)......امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بغدادی رحمہ اللہ [م:۴۶۳ھ]:

اسم گرامی ''امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بغدادی رحمہ اللہ'' ہے، آپ ابن ابی الفوارس رحمہ اللہ، ابوعمر قاسم بن جعفر ہاشمی رحمہ اللہ، ابن رزقویہ رحمہ اللہ اور ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ وغیرہم سے روایت حدیث کرتے ہیں جبکہ ان سے برقانی رحمہ اللہ، ابوالفضل بن خیرون رحمہ اللہ اور فقیہ نصر مقدسی رحمہ اللہ وغیرہم روایت کرتے ہیں۔(تذکرۃ الحفاظ:۱۰۱۵)

اہل السنۃ والجماعۃ احناف کے خلاف متشدد ہونے کے باوجود آپ فی نفسہ ثقہ بالاجماع محدث تھے، چنانچہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ م ۷۴۸ھ نے آپ کو ''**الحافظ الکبیر الامام ،محدث الشام والعراق**'' جیسے القابات سے نوازا ہے۔(تذکرۃ الحفاظ:۱۰۱۵)

(۴)......امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی رحمہ اللہ [م:۴۳۰ھ]:

امام ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی رحمہ اللہ مشہور ثقہ بالاجماع صوفی، محدث اور فقیہ تھے۔

چنانچہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کو ''**الامام الحافظ،الثقۃ العلامۃ ،شیخ الاسلام**'' جیسے عظیم القابات سے نوازا ہے۔(سیر اعلام النبلاء:۳۹۳۲)

(۵)......محمد بن عبداللہ رحمہ اللہ؟؟؟:

کافی محنت وجستجو کے باوجود محمد بن عبداللہ رحمہ اللہ کا تعین نہیں ہوسکا کہ یہ کون سا راوی ہے؟ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ ''الموضوعات لابن الجوزی'' میں موجود اس روایت کی سند میں امام ابونعیم اصبہانی رحمہ

اللہ اور امام طبرانی رحمہ اللہ کے درمیان محمد بن عبداللہ رحمہ اللہ کا واسطہ موجود ہے جبکہ تاریخ دمشق میں موجود اس روایت کی سند میں امام ابونعیم رحمہ اللہ اور امام طبرانی رحمہ اللہ کے درمیان محمد بن عبداللہ رحمہ اللہ کا واسطہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے بلکہ امام ابونعیم رحمہ اللہ سے براہ راست صیغہ تحدیث کے ساتھ امام طبرانی رحمہ اللہ سے روایت کررہے ہیں۔ ممکن ہے کہ امام ابونعیم رحمہ اللہ نے محمد بن عبداللہ رحمہ اللہ سے بھی سنی ہو اور براہ راست امام طبرانی رحمہ اللہ سے بھی سنی ہو۔ (**واللہ اعلم بالصواب**)

(٦)......امام ابوالفرج غیث بن علی الارمنازی رحمہ اللہ [م:۵۰۹ھ]:

امام ابوالفرج غیث بن علی بن عبدالسلام بن محمد الصوری الارمنازی رحمہ اللہ بھی ایک راست باز محدث ہیں، چنانچہ امام حافظ ذہبی رحمہ اللہ ۷۴۸ھ لکھتے ہیں کہ: ابوالفرج غیث بن علی بن عبدالسلام ''ثقہ، ثبت'' تھے۔ (تاریخ الاسلام:۲۶۶)

(۷)......امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ [م:۳۶۰ھ]:

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر الطبرانی رحمہ اللہ مشہور ومعروف جلیل القدر، ثقہ بالاجماع محدث ہیں۔ چنانچہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کو'' **الامام الحافظ الثقۃ، الرحال الجوال، محدث الاسلام** '' جیسے عظیم الشان القابات سے یاد کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء:۳۲۸۵)

(۸)......ابوجعفر محمد بن زکریا بن دینار الغلابی رحمہ اللہ [م:۲۸۱ھ۔۲۹۰ھ]:

ابوجعفر محمد بن زکریا بن دینار الغلابی البصری الاخباری رحمہ اللہ کے متعلق ائمہ حدیث کی آراء درج ذیل ہیں:

☆......حافظ ابن حبان رحمہ اللہ (م:۳۵۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

''محمد بن زکریا جب ثقہ راویوں سے راویوں سے روایت کرے تو اس کی حدیث کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس کی مجہول راویوں سے نقل کردہ روایتوں میں بعض منکر روایتیں پائی جاتی ہیں۔'' (الثقات لابن حبان:۱۵۷۳۷)

☆......امام ابن ندیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ واقعات، سیرت اور مغازی کے رواۃ میں سے ایک ہے اور یہ ثقہ اور راست باز تھا۔''

(فہرستہ لابن الندیم:۲۱۴ بحوالہ ارشاد القاصی والدانی الی تراجم شیوخ الطبرانی:۸۹۴)

☆......امام ابوالفداء زین الدین قاسم بن قطلو بغا الحنفی رحمہ اللہ (م:۸۷۹ھ) محمد بن زکریا سے متعلق حافظ

ابن حبان رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

’’میں (قاسم بن قطلو بغا) کہتا ہوں کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ محمد بن زکریا حدیثیں گھڑتا ہے، ابن مندہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ اخباری ہے اور اس پر کلام کیا گیا ہے۔ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس سے تاریخ میں ایک روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے: یہ اسی کی ہی لائی ہوئی آفت ہے۔‘‘

(الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستۃ: ۹۷۷۳)

☆......حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م: ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

’’محمد بن زکریا ضعیف راویوں کی گنتی میں شامل ہے۔‘‘ (تاریخ الاسلام: ۴۳۴) مزید فرمایا کہ: ’’اس کو جھوٹ کے ساتھ متہم کیا گیا ہے۔‘‘ (تلخیص کتاب الموضوعات لابن الجوزی: ۴۶۸، ۳۲۰)

☆......امام دارقطنی رحمہ اللہ (م: ۳۸۵ھ) نے اسے ضعیف اور متروک راویوں میں ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ’’یہ بصری راوی حدیثیں گھڑتا ہے۔‘‘ (الضعفاء والمتروکون: ۴۸۳)

☆امام ابن جوزی رحمہ اللہ (م: ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

’’یہ شیعیت میں غلو کرنے والا تھا۔‘‘ (الموضوعات لابن الجوزی: ۳/ ۲۷۸)

☆......حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م: ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

’’محمد بن زکریا ضعیف ہیں۔‘‘ (لسان المیزان: ۶۷۹۱)

ایک روایت کی تحقیق میں مزید فرماتے ہیں:

’’یہ روایت غلابی کے جھوٹوں میں سے ہے۔‘‘ (ایضاً)

☆......امام ابن عساکر رحمہ اللہ (م: ۵۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

’’محمد بن زکریا ضعیف ہیں۔‘‘ (تاریخ دمشق: ۵۷/ ۳۷۳ بحوالہ ارشاد القاصی)

☆......امام ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ (م: ۴۵۸ھ) نے فرمایا:

’’یہ متروک ہیں۔‘‘ اور دوسری مرتبہ فرمایا: ’’یہ حدیثیں گھڑنے کے ساتھ متہم ہیں۔‘‘

(شعب الایمان: ۲۵۹)

☆......امام سمعانی رحمہ اللہ (م: ۵۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

’’میں نے بعض حفاظِ حدیث کو سنا، وہ اسے شیعیت کی طرف منسوب کر رہے تھے۔‘‘

(الانساب: ۲۹۳۹)

☆......امام زین الدین محمد عبدالروف المناوی رحمہ اللہ (م: ۱۰۳۱ھ) ایک روایت کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ:

’’اس میں محمد بن زکریا الغلابی بھی ضعیف ہیں۔‘‘ (فیض القدیر: ج ا ص ۵۱۱)

☆......حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (م: ۸۰۴ھ) بھی ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

’’میں کہتا ہوں کہ یہ روایت موضوع ہے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن زکریا الغلابی ہے۔‘‘ (مختصر تلخیص الذہبی: ۶۰۲)

☆......امام ابوالحسن نورالدین ہیثمی رحمہ اللہ (م: ۸۰۷ھ) فرماتے ہیں:

’’محمد بن زکریا الغلابی سخت ضعیف ہیں۔ انہیں جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔‘‘ (مجمع الزوائد: ۷۲۰۵، ۱۴۵۱۰)

☆......امام ابوالخیر شمس الدین السخاوی رحمہ اللہ (م: ۹۰۲ھ) ایک روایت کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

’’اس کی سند میں محمد بن زکریا الغلابی ہیں جو کہ سخت ضعیف ہیں۔‘‘ (المقاصد الحسنۃ: ۳۷۰) جبکہ دوسرے جگہ لکھتے ہیں کہ: ’’یہ متروک ہیں۔‘‘ (ایضاً: ۷۹۹)

☆......امام ابویعلی الخلیلی رحمہ اللہ (م: ۴۴۶ھ) لکھتے ہیں کہ:

’’محمد بن زکریا اور موسی بن زکریا دونوں سے کثرت کے ساتھ روایتیں منقول ہیں مگر یہ دونوں ضعیف ہیں اور ان دونوں پر کلام کیا گیا ہے۔‘‘ (الارشاد فی معرفۃ علوم الحدیث: ۲/ ۳۲۸)

☆......امام صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی رحمہ اللہ (م: ۷۶۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

’’یہ ضعیف راویوں میں شمار ہوتا ہے۔‘‘ الوافی بالوفیات: ۳/ ۶۳)

(۹)......ابوعبدالرحمٰن عبیداللہ بن محمد المعروف بابن عائشہ رحمہ اللہ م ۲۲۸ھ:

امام ابوحفص عبیداللہ بن محمد بن حفص بن عمر بن موسیٰ بن عبیداللہ القرشی التیمی المعروف بابن عائشہؒ سنن ابی داود، سنن ترمذی اور سنن نسائی وغیرہ کے راوی ہیں، آپ کے متعلق توثیقی اقوال درج ذیل ہیں:

☆......امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م: ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

ابن عائشہ روایت حدیث میں راست باز ہیں۔ (تہذیب الکمال: ۳۶۷۸)

☆......امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ (م: ۲۷۷ھ) فرماتے ہیں:

آپ راست باز ثقہ ہیں۔ (ایضاً)

☆امام ابوداود رحمہ اللہ (م: ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

آپ روایت حدیث میں راست باز ہیں۔ (ایضاً)

☆......حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م:۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

’’آپ ثقہ، فیاض راوی ہیں، آپ پر قدری ہونے کا الزام لگایا گیا ہے مگر یہ ثابت نہیں۔‘‘

(تقریب التہذیب:۴۳۳۵)

(۱۰)......امام محمد بن حفص بن عمر بن موسیٰ البصری رحمہ اللہ:

امام محمد بن حفص بن عمر بن موسیٰ البصری رحمہ اللہ کے متعلق اقوال ملاحظہ فرمائیں:

☆......امام ابوالفداء زین الدین قاسم بن قطلو بغا الحنفی رحمہ اللہ (م:۸۷۹ھ) نے محمد بن حفص کو ثقہ رواۃ میں ذکر کیا ہے۔(الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستۃ:۹۶۶۴)

☆......حافظ ابن حبان رحمہ اللہ (م:۳۵۴ھ) نے بھی آپ کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

(کتاب الثقات:۱۵۲۴۲)

☆......امام ابوالمحاسن شمس الدین محمد بن علی بن الحسن الحسینی رحمہ اللہ (م:۷۶۵ھ) فرماتے ہیں:

محمد بن حفص محل نظر راوی ہیں۔(الاکمال فی ذکر من لہ روایۃ فی مسند الامام احمد:۷۶۵)

خلاصۃ التحقیق:

مذکورہ بالا تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے کیونکہ اس کے مرکزی راوی محمد بن زکریا الغلابی پر مفسر جروحات کی گئی ہیں، مزید برآں اس روایت کے ضعیف ہونے کی مزید دو وجوہات بھی ذہن میں ہیں مگر اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔(**واللہ اعلم بالصواب**)

☆......☆......☆......☆

مولانا خیر الامین قاسمی، مردان

تنزیہ کے طمانچوں سے شبہاتِ تشبیہ کا دَفعیہ

مسئلہ اسماء وصفات باری تعالی کے متعلق جن احادیث کے ظاہر سے مجسمہ ومشبہ استدلال کرکے اللہ تعالی کے لیے اعضاء وجوارح ثابت کرتے ہیں۔ان کے سلسلے میں سب سے بہترین اور مدلل کتاب امام ابن جوزیؒ نے لکھی ہے: **دفع شبہ التشبیہ باکف التنزیھہ** یعنی تنزیہہ کے طمانچوں سے تشبیہ کے شبہات کو دفع کرنا۔ہمارے شیخ، الامام، الثقہ، الحجہ، النظار شیخ سجاد الحجابی صاحب حفظہ اللہ اس مبارک کتاب کے متعلق فرماتے ہیں کہ:" **ینبغی ان یکتب بماء الذھب** " یعنی یہ کتاب سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے۔اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو دورۂ حدیث سے قبل پڑھنا واجب کے درجہ میں ہے تاکہ صحاح ستہ میں جہاں بھی کوئی ایسی حدیث سامنے آئے جس کا ظاہر تشبیہ پر دلالت کرتا ہو تو اس کا صحیح محمل آپ کے ذہن میں ہو۔ان احادیث میں مجسمہ یا غیر مقلدین جو غلطیاں کرتے ہیں ابن جوزیؒ نے ان کو سات قسموں میں بیان کیا ہے۔

ان اقسام کو ضبط تحریر میں لانے سے قبل ائمہ اربعہؒ کے متعلق مجسمۃ عصرنا (غیر مقلدین) جو عبارات منسوب کرتے ہیں اس کا مختصر تجزیہ پیش خدمت ہے۔

ا]-امام اعظم ابوحنیفہؒ:

اکثر غیر مقلدین کہتے ہیں کہ "امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ :" **من قال لاعرف ربی فی السماء ام فی الارض فقد کفرو کذامن قال انه علی العرش ،ولاادری العرش افی السماء او فی الارض**"[الفقہ الاکبر۱۳۵بروایت ابومطیع بلخی]

جواب: یہ کلام حضرت امام صاحبؒ پر صریح جھوٹ ہے، جو ابومطیع بلخی نے بولا ہے۔کیونکہ ابومطیع بلخی عندالمحدثین کذاب اور وضاع ہے۔

امام ذہبیؒ میزان الاعتدال میں ان کے متعلق درجہ ذیل ناقدین کا کلام نقل کرتے ہیں:

قال ابن معین لیس بشیء۔ابن معین فرماتے ہیں کہ یہ کچھ بھی نہیں۔

وقال مرة: ضعیف۔کبھی کہتے کہ ضعیف ہے۔

وقال البخاری : ضعیف صاحب الراء یی۔کہ ضعیف اور صاحب رائے ہے۔

وقال النسائی : ضعیف . امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔

قال احمد: لاینبغی ان یروی عنه شئی ۔امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ”ان سے روایت نہ کیا جائے۔

وقال ابوداود : ترکوا حدیثه وکان جهمیا. کہ محدثین ان سے حدیث نہیں لیتے تھے اور یہ عقیدتاً ”جہمی“ تھا۔

وقال ابن حبان : کان من رؤساء المرجئة ممن یبغض السنن ومنتحلیها ۔ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ مرجیہ کا سردار تھا اور سنت کا انکار کرتا تھا اور ان سے بغض رکھتا تھا۔

وقال العقیلی : حدثناعبدالله بن احمد،سالت ابی عن ابی مطیع البلخی فقال: لاینبغی ان یروی عنه .حکوا عنه انه یقول : الجنة والنار خلقتا فستفنیان وهذاکلام جهم. امام عقیلیؒ فرماتے ہیں کہ ”مجھے عبداللہ بن احمد نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سے ابومطیع البلخی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ان سے روایت نہ کی جائے۔اور محدثین نے ان سے یہ بات نقل کیا ہے کہ یہ کہتا تھا کہ جنت اور جہنم دونوں پیدا کیے گئے ہیں اور دونوں فنا ہوں گے جب کہ یہ عقیدہ جہم بن صفوان کا ہے۔

[میزان الاعتدال ۲/ ۳۳۹، ۳۴۰ مکتبہ رحمانیہ]

غیر مقلد مولوی ابوصہیب محمد داؤد راشد ایک حدیث پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”اس کی سند میں ابومطیع بلخی (حکم بن عبداللہ) راوی ہے۔امام بخاریؒ ،امام یحییٰ بن معین ،امام نسائیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔امام احمدؒ فرماتے ہیں کسی کے لائق نہیں اس سے روایت کریں۔امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ: مرجیہ کا سردار تھا اور سنت سے بغض رکھتا تھا۔امام ابوحاتم فرماتے ہیں: کذاب ہے۔ابن سعد فرماتے ہیں: ضعیف اور مرجی ہے۔ جوزقانی فرماتے ہیں کہ: احادیث وضع کرتا تھا۔ علامہ محمد طاہر حنفی فرماتے ہیں: کذاب ہے۔[ضمیمہ سبیل الرسول ۳۲۰ نعمانی کتب خانہ لاہور]

میں کہتا ہوں کہ امام احمدؒ جس کے متعلق فرمائیں کہ ان سے روایت نہ کیا کرو تو حضرت امام صاحبؒ کے متعلق ان پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

دوسری بات کہ جو شخص حضور پاک ﷺ پر جھوٹ بولتا ہو تو وہ امام صاحبؒ پر جھوٹ بولنے میں کتنا جری ہوگا۔ یہ فیصلہ قارئین کرام کریں گے۔لہٰذا غیر مقلدین یہ قول پیش کر کے امام صاحبؒ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

۲]-امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ:

غیر مقلدین امام مالکؒ کے متعلق یہ قول پیش کرتے ہیں کہ جب ان سے استوی کے متعلق پوچھا

گیا تو انہوں نے فرمایا:" **الاستوء معلوم، والکیف مجهول، والایمان به واجب، والسؤال عنه بدعة.**"[شرح عقیدۃ الطحاویہ لابی العزالحنفی :۱۰۴بحوالہ التحقیق الجلی :۶۰]

امام مالکؒ کے اس مقولہ پر تفصیلی کلام سیدی ومولائی شیخ سجاد الحجابی صاحب حفظہ اللہ کے محاضرات میں موجود ہے، وہاں مراجعت کریں۔مختصراً دوتین باتیں پیش خدمت ہیں:

امام مالکؒ سے یہ مقولہ جس میں ''والکیف مجہول'' کا ذکر ہے صحیح سند سے ثابت نہیں۔ بلکہ صحیح قول وہی ہے جس میں کیفیت کی نفی ہے۔کیونکہ کیفیت اجسام کی صفت ہے، باری تعالیٰ جسم سے پاک ہیں۔امام ابوبکر بیہقیؒ نے امام مالکؒ کا یہ قول جس میں کیفیت کی نفی ہے' صحیح سند سے ذکر کیا ہے۔

عبداللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ: **کنا عند مالک بن انس فدخل رجل فقال یااباعبداللہ الرحمن علی العرش استوی کیف استواوئه قال فاطرق مالک واخذته الرخضاء ثم رفع راسه فقال الرحمن علی العرش استوی کماوصف نفسه ولایقال کیف، وکیف عنه مرفوع وانت رجل سوء صاحب بدعة اخرجوه قال فاخرج الرجل**" [کتاب الاسماء والصفات ۲/ ۳۰۵] ترجمہ: ہم امام مالکؒ کے پاس تھے تو ایک آدمی آیا، پھر اس نے پوچھا: اے عبداللہ! رحمٰن نے عرش پر استوی فرمایا، اس کا استوی فرمانا کیسا ہے؟ راوی نے کہا کہ اس پر امام مالکؒ نے اپنے سر جھکایا، اس حال میں کہ آپ کا جسم پسینے سے تر بتر ہو گیا، اور فرمایا: رحمٰن نے عرش پر استواء فرمایا جیسا کہ اس نے خود اپنی صفت بیان کی، اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کیسے، حالاں کہ اللہ کی ذات سے کیف کی نفی گئی اور اے پوچھنے والے! تو ایک برا بد مذہب شخص ہے، لہٰذا لوگو! اِسے نکال دو۔راوی نے کہا تو اس شخص کو نکالا گیا۔

یہ صحیح سند کے ساتھ ہے جس میں کیف کی نفی موجود ہے۔فلہٰذا وہ روایت اگر چہ مشہور ہے لیکن وہ سنداً درست نہیں۔

مشہور محدث وفقیہ امام تقی الدین الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ " **فنفی العلم ،فمن استدل بکلامه علی انه سبحانه وتعالی فوق عرشه فهولجهله وسوء فهمه ...قوله " والکیف مجهول " ای بالنسبة الی اللہ عزوجل ، لان الکیف من صفات الحدث وکل ماکان من صفات الحدث فاللہ عزوجل منزہ عنه فاثباته له سبحانه کفرمحقق عندجمیع اهل السنة والجماعة**"[دفع شبہ من شبہ وتمرد ۳۱، ۳۲ ناشر المکتبۃ الازھریہ للتراث القاہرہ]

ترجمہ: پس امام مالکؒ نے کیفیت کے علم کی نفی فرمائی۔لہٰذا جس نے ان کے کلام سے اس پر

استدلال کیا کہ اللہ سبحانہ وتعالی اپنے عرش کے اوپر ہے تو ایسا اس کی جہالت اور بری سمجھ کی وجہ سے ہے۔امام مالکؒ کا کہنا ”اور کیف مجہول ہے“، یعنی اللہ عزوجل کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔اس لئے کہ کیف صفات حدث میں سے ہے۔اور ہر وہ صفت جو صفات حدث میں سے ہو تو اللہ عزوجل اس سے منزہ ہے۔لہٰذا اللہ سبحانہ کے لئے کیف کو ثابت کرنا سارے اہل سنت کے نزدیک تحقیق شدہ کفر ہے۔

۳]-الامام الشافعیؒ :

فرقہ مجسمہ امام شافعیؒ سے اقرار بالشہادۃ میں یہ قول نقل کرتے ہیں کہ: ” **لاالــه الاالـلــه وان مـحـمدالرسول الله ،وان الله تعالی علی عرشه فی سمائه یقرب من خلقه کیف شاء وان الله ینزل الی السماء الدنیا کیف شاء**“ [مختصر العلو:۱۸۶بحوالہ مقدمہ دفع شبہ التشبیہ :۷۲]

ترجمہ: کلمہ توحید کے بعد امام شافعیؒ اس کا اقرار بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی آسمان کے اوپر اپنے عرش پر ہے اور جس طرح چاہتے ہیں مخلوق کے قریب ہوتے ہیں اور آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں جس طرح وہ چاہتے ہیں۔

لیکن یہ امام شافعیؒ پر خالص جھوٹ گھڑا گیا ہے۔کیونکہ امام شافعیؒ اللہ تعالی کے لیے جہت اور مکان کی نفی کرتے ہیں، چنانچہ علامہ سید مرتضی زبیدیؒ امام شافعیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:” **انـه سبحانه وتعالی لامـکان له ولاجهة ،قال الشافعیؒ والدلیل علیه هو انه تعالی کان ولامکان فخلق المکان وهـوعـلی صفة الازلیة کماکان قبل خلقه المکان لایجوز علیه التغیر فی ذاته ولاالتبدیل فی صفاته.**“[اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین:۲/۲۴موسسۃ التاریخ العربی بیروت]

ترجمہ: بے شک اللہ کے لئے نہ تو کوئی مکان ہے اور نہ ہی کوئی جہت ہے۔امام شافعیؒ نے فرمایا: اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی ازل میں تھا اور کوئی مکان نہیں تھا، تو اس نے مکان کو پیدا کیا جب کہ وہ اپنی صفت ازلیت پر ہے جس طرح وہ مکان کو پیدا کرنے سے پہلے تھا۔اس کی ذات میں تغیر کرنا اس پر ممکن نہیں اور نہ ہی اس کی صفات میں تبدیلی کرنا ممکن ہے۔

یہ تو امام شافعیؒ کا اصل عقیدہ ہو گیا۔مذکورہ بالا منسوب قول امام شافعیؒ پر دو شخصوں نے جھوٹ بولا ہے۔مختصر العلو میں اس طرح ہے کہ” **روی شیـخ الاسـلام ابـوالـحـسـن الهـکـاری ،والـحـافظ ابـومـحـمـدالـمـقـدسـی باسنادهم الی ابی ژوروابی شعیب کلاهماعن الامام محمدبن ادریس الشافعیؒ**“[بحوالہ مقدمہ دفع شبہ التشبیہ ۷۲]

ابوالحسن ھکاری کی محدثین کے ہاں کیا حالت ہے، ملاحظہ کریں۔

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ: **قال ابو القاسم بن عساکر: لم یکن موثقابه**۔ ابن عساکرؒ فرماتے ہیں کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔

وقال ابن نجار: متهم بوضع الحدیث وترکیب الاسانید۔ حدیث گھڑتا تھا اور اسانید بناتا تھا۔ [میزان الاعتدال: ۱۱۲/۳، بحوالہ مقدمہ دفع الشبہ: ۷۲]

اسی طرح ابن حجرؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "**وکان الغالب علی حدیثه الغرائب والمنکرات، وفی حدیثه اشیاء موضوعة**" [لسان المیزان: ۱۹۵/۴، بحوالہ مقدمہ دفع الشبہ: ۷۳] تو جو شخص وضاع اور کذاب ہو حضور پاک پر جھوٹ بولنے میں جری ہو، اُس کے لیے امام شافعی پر جھوٹ بولنا کیا مشکل ہے؟ یہی حال اِس عبارت کے ناقل ابو محمد مقدسی کا ہے، ملاحظہ کریں۔

حسن سقاف اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "**واما ابو محمد فهو من اباح العلماء دمه کما یجد ذالک من طالع ترجمته لکونه مجسما صرفا انظر کتاب الذیل علی الروضتین المسمی ایضا تراجم رجال القرنین للحافظ ابی شامه المقدسی الدمشقی.** [۴۶/۴۷، بحوالہ مقدمہ دفع الشبہ: ۷۳] ابو محمد خالص مجسمی تھا اسی وجہ سے علماء نے ان کے خون کو مباح قرار دیا تھا۔

چونکہ یہ خود مجسم تھا، اور ہر بدعتی اکابر کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے، اور ان کی عبارات میں قطع وبرید کرتا ہے یا تاویل القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق بنتے ہوئے اکابر کی عبارات میں تحریف وتاویل کرتا ہے۔ یہی کام اِس نے کیا۔

نیز یہ دونوں ابوشعیب کے واسطے سے یہ قول امام شافعیؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ یہ ابوشعیب امام شافعیؒ کے وفات کے دو سال بعد پیدا ہوا۔ [تاریخ بغداد: ۴۳۶/۹، بحوالہ مقدمہ دفع الشبہ: ۷۳]

۴]۔ امام عزیمت امام احمد بن حنبلؒ:

مجسمہ امام احمد بن حنبلؒ کے بعض کلمات سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت الامام بھی اللہ تعالی کو جہت فوق وغیرہ میں مانتے ہیں اور معاذ اللہ کہ اللہ تعالی کے لئے جہت اور مکان ہے اور یہ سب باتیں امام صاحبؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ایک کتاب کی وجہ سے جس کا نام ہے: "کتاب الرد علی الجہمیہ" حالانکہ اس کتاب کی نسبت امام صاحبؒ کی طرف درست نہیں اور نہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے۔ امام ذہبیؒ سیر میں امام احمد بن حنبلؒ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ: "**لا کرسالة الاصطخری ولا کالرد علی الجهمیة الموضوع علی ابی عبدالله**" [سیر اعلام النبلاء: ۲۸۶/۱۱، بحوالہ مقدمہ دفع شبہ التشبہ: ۷۴]

اس عبارت میں امام ذہبیؒ نے صاف اعلان کیا ہے کہ: کتاب الرد علی الجہمیہ امام احمد کی طرف بے

جا منسوب کی گئی ہے۔ بالکل یہی عبارت شیخ عبدالہادی خرسہ نے اپنی کتاب ''اللہ معنا بعلمہ لا بذاتہ'' میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ: '' **نسب الی الامام کتاب الرد علی الجهميه وهو كتاب موضوع عليه وقدصرح بوضعه الحافظ الذهبي في ترجمة الامام احمدفي سيراعلام النبلاء فقال ولاكالرد على الجهميه الموضوع على ابى عبدالله**'' [اللہ معنا بعلمہ لا بذاتہ:۱۱۶] جس کا خلاصہ یہی ہے کہ یہ من گھڑت کتاب امام احمد رحمہ اللہ کی طرف ناجائز طور پر منسوب کی گئی ہے۔

یہ تو ائمہ اربعہؒ کے متعلق جھوٹی عبارات کی وضاحت تھی۔اب ذیل میں امام ابن جوزیؒ کے سات باتیں جو آب ذر سے لکھنے کے قابل ہیں مسلہ صفات کے حوالہ سے ملاحظہ کریں۔

ا]- پہلی بات ہر مضاف الی اللہ، اللہ تعالی کی صفت نہیں ہوتا بلکہ ان کو آیات الاضافات کہا جاتا ہے اور یہ اضافات تعظیم اور تشریف کے لئے ہیں۔نہ کہ بطور صفت۔ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ:

وقدوقع غلط المصنفين اللذين ذكرتهم في سبعة اوجه احدها انهم سموا الاخبار اخبار صفات ،وانما هي اضافات وليس كل مضاف صفة . [دفع شبہ التشبیہ ۱۰۴] لہذا ہر منسوب الی اللہ صفت باری تعالی نہیں ہوتا۔مثلا:

ونفخت من روحي ۔سورہ حجر ۲۹ یا **بيت الله** یا **ناقة الله** یا **نار الله** وغیرہ تمام کی تمام صفات نہیں ہیں، حالانکہ اللہ تعالی کی ذات کی طرف منسوب ہیں۔

۲]- ان نصوص کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ متشابہات میں سے ہیں جس کے معانی صرف اللہ تعالی کو معلوم ہیں، لیکن دوسری طرف کہتے ہیں کہ ان کا ظاہری معنی مراد ہے۔پس ان پر افسوس ہے کہ جس کا معنی اللہ کو معلوم ہے تو پھر ظاہری معنی کیوں لیتے ہو کیونکہ استوی کا ظاہری معنی تو جلوس ہے اور نزول کا ظاہری معنی انتقال ہے۔

لکھتے ہیں کہ: '' **الثاني انهم قالوا ان هذه الاحاديث من المتشابهه اللذى لايعلمه الاالله تعالى .ثم قالوا نحملها على ظواهرها ،فواعجبا .مالايعلمه الاالله اى ظاهر له؟ فهل ظاهر الاستواء الاالقعود ،وظاهر النزول الاانتقال**'' [مرجع سابق:۱۰۴]

۳]- جس طرح اللہ تعالی کی ذات کا ثبوت ادلہ قطعیہ سے ہے اسی طرح اللہ تعالی کے لئے صفات کا ثبوت بھی ادلہ قطعیہ کے ساتھ کرنی چاہیئے۔جبکہ مجسمۃ عصر نا اللہ تعالی کے لئے صفات کا ثبوت اخبار احاد کے ذریعے کرتے ہیں جبکہ اخبار احاد ظنی ہے اور مسلہ صفات کا تعلق عقائد کے ساتھ ہے اور عقائد ظنی دلائل سے ثابت نہیں ہوتے۔

ابن جوزی مختصر لفظوں میں لکھتے ہیں کہ: '' **الثالث انهم اثبتوا لله تعالى صفات ،وصفات**

الحق لاتثبت الابمايثبت به الذات من الادلة القطعيه"[ایضا]

فائدہ: اخبار احاد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا اس پر مستقل مضمون مجلّہ صفدر کے قارئین کرام کی نذر ہوگا، اِن شاء اللہ۔ یار زندہ صحبت باقی۔

۴]۔ مجسمہ خبر مشہور سے ثابت شدہ مسئلے اور شدید ضعیف حدیث میں درج مسئلے میں فرق نہیں کرتے، بلکہ خبر مشہور سے بھی صفت کا اثبات کرتے ہیں اور ضعیف روایت سے بھی۔ مثلاً: مشہور حدیث [**ینزل الی سماء الدنیا**] اور ضعیف روایت [**رایت ربی فی احسن صورة**] ایک سے نزول حقیقی اور دوسرے سے صورتِ حقیقی اللہ تعالی کے لئے ثابت کرتے ہیں . **تعالی الله من هذه الخرافات** ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ" **الرابع انهم لم يفرقوا فى الاحاديث بين خبر مشهور كقوله (ينزل الى سماء الدنيا) وبين حديث لايصح كقوله (رايت ربى فى احسن صورة)بل اثبتوا بهذا صفة وبهذا صفة**۔[ایضا]

۵]۔ مجسمہ عصر نا یعنی لامذہبیہ اسماء وصفات کے باب میں مرفوع روایت اور موقوف ومقطوع کے درمیان فرق نہیں کرتے ہیں بلکہ دونوں سے ایک جیسا اثبات کرتے ہیں اور صفت کو مانتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

"**الخامس انهم لم يفرقوا بين حديث مرفوع الى النبى ﷺ وبين حديث موقوف على صحابى او تابعى ،فاثبتوا بهذا مااثبتوا بهذا**۔[ایضا]

۶]۔ جس جگہ ان کا دل چاہتے ہیں تو اس میں تاویل کرتے ہیں اگر چہ وہ حدیث رسول کیوں نہ ہو لیکن جہاں نہیں چاہتے تو تاویل نہیں کرتے بلکہ تاویل کو بدعت کہتے ہیں۔

ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ" **السادس انهم تاولوا بعض الالفاظ فى موضع ولم يتاولوها فى موضع آخر** "[دفع شبہ التشبیہ :۱۰۶]

مثلاً: **من اتانى يمشى اتيته هرولة** بخاری شریف کی روایت ہے تو اس میں تاویل کرتے ہیں کہ یہاں رحمت مراد ہے جبکہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے" **اذا كان يوم القيامة جاء الله يمشى**" تو اس میں مشی کو حقیقی معنی میں لیتے ہیں۔ مجسمہ کے اس انداز پر ابن جوزیؒ کا تبصرہ پڑھیں۔ فرماتے ہیں کہ:

"**قلت فواعجبا : ممن تاول حديث رسول الله ﷺ ولايتاول كلام عمربن عبدالعزيز** ۔[دفع شبہ التشبیہ :۱۰۶] یعنی ان پر تعجب کرنا چاہئے جو حدیث رسول میں تو تاویل کرتے ہیں اور ایک تابعی کے قول میں تاویل نہیں کرتے حال یہ ہے کہ ان کے ہاں تاویل بدعت ہے اور مؤولہ بدعتی ہے۔

نوٹ: تاویل بدعت نہیں اس پر "صفدر" کے قارئین پہلے شماروں کی طرف رجوع کریں۔

(**بقیہ** صفحہ نمبر: 22 / پر)

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط:۱۱

غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر

غامدی صاحب کا نظریہ اتمام حجت:

غامدی صاحب اپنے نظریہ اتمامِ حجت کو مختلف پیراؤں میں بیان کرتے ہیں، اِس سے پہلے کہ ہم غامدی صاحب کے موقف کو اور اُس کے نتائج کو پیش کریں، ضروری ہے کہ اتمامِ حجت کے لئے کیا چیز ضروری ہے؟ اور اتمامِ حجت کب ہوجاتا ہے؟ اِس پر بحث کی جائے، امید ہے کہ اِس بحث سے سب عقدے حل ہوجائیں گے۔

حجت کا مفہوم:

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **والحجة الدلالة المبينة للمَحجة اى المقصد العظيم والذى يقتضى صحة احدالنقيضين. (المفردات :۱۱۵)** اور حجت ایسی دلالت ہے جو مقصد عظیم کو واضح کرنے والی ہو، اور جو دو متضاد خیالات میں سے ایک کے صحیح ہونے کا تقاضا کرے۔

ظاہر ہے کہ قرآن مجید ایسی ہی حجت ہے، اور دینی متواتر احکام بھی ایسے ہی ہیں۔

علامہ عبدالرحمٰن بن نجم بن عبدالوہاب السعدی (م ۶۳۴ھ) فرماتے ہیں: **واما الحجة فهى عبارة عن دليل الدعوى. (استخراج الجدال من القرآن الكريم: ٦٢)** حجت دعوی کی دلیل کا نام ہے۔

نبی کریم ﷺ کے دور میں نبی کریم ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے معجزات، اور حق یعنی توحید و رسالت و قیامت عقائد پر اور دیگر احکامات پر آپ کے دلائل قطعی حجت تھے، آپ ﷺ نے جو دعوی پیش کیا اُس کی واضح دلیل پیش کی، اور آپ ﷺ کی ہر دلیل قطعی اور بدیہی تھی، اس لئے آپ کے ذریعے ملنے والا سب کچھ آپ کے لائے ہوئے دین کے حق ہونے پر حجت تھا، قرآن مجید اور حکمت وسنت حجت قطعی وبدیہی تھا، اس لئے آپ ﷺ کے دور والوں پر اتمامِ حجت ہونے میں غامدی صاحب کو بھی کلام نہیں ہے۔

اور جب وہی سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے واسطے سے بعد کے سب ادوار کے انسانوں تک پہنچ چکا

ہے، تو وہ حجت آ گئی،اور نہ ماننے والوں کے پاس سوائے جہالت یا ضد کے کوئی عذر نہیں ہے،نہ ہی اُن کے پاس اپنے باطل دین پر کوئی حجت ہے۔

حجتِ بالغہ:

قرآن مجید میں ایک جگہ حجت بالغہ کا ذکر آیا،جس کا معنی کامل حجت ہے،کامل حجت سے کیا مراد ہے؟

علامہ محمد بن احمد قرطبی (م ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں: **فحجته البالغة علی هذاتبيينه انه الواحدوارساله الرسل والانبياء ،فبين التوحيدبالنظرفی المخلوقات وايدالرسل بالمعجزات ،ولزم امره كُلَّ مكلّف (تفسیرالقرطبی ۱۲۸/۷)**''اللہ تعالی کی حجتِ کاملہ'' اللہ تعالی کا یہ بیان ہے کہ اللہ ایک ہے،اور اللہ تعالی نے رسول اور نبی بھیجے،اسی طرح مخلوقات میں غور وفکر کا حکم دے کر توحید کو واضح کیا،اور رسولوں کی تائید معجزات کے ذریعے کی،اور ہر مکلَّف انسان پر اپنا حکم لازم کر دیا۔

یعنی توحید واضح کی جو اس کی مخلوقات میں غور کرنے سے ظاہر ہے،اور نبی کی سچائی اُس کو معجزات دے کر واضح کی،اور وہ معجزات صرف نبی کریم ﷺ کے دور تک نہیں تھے، بلکہ آپ ﷺ کے بعد بھی کئی شکلوں میں باقی رہے اور ہیں،خصوصاً قرآن مجید کا معجزہ ظاہر ہے،تو اس طرح اللہ تعالی نے توحید اور رسالت کا جو بیان کیا وہ بیان صرف نبی کریم ﷺ کے دور تک نہیں رہا،اس کے بعد کے دوروں کے انسانوں تک بھی کامل ومکمل پہنچا،تو اس طرح اللہ تعالی کی حجتِ کاملہ سب بعد کے انسانوں تک بھی پہنچ گئی گو سب تک نبی کے واسطے سے نہیں پہنچی (ورنہ نبی کو قیامت تک دنیا میں باقی رکھا جاتا) تو اتمامِ حجت سب پر ہو چکا ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن نجم بن عبدالوہاب السعدی (م ۶۳۴ھ) فرماتے ہیں: **فلله الحجة البالغة ای الدليل القاطع الذی لايعارضه معارض (استخراج الجدال من القرآن الكريم: ۶۲)**
حجتِ بالغہ سے مراد وہ قطعی دلیل ہے جس کے مقابلہ میں کوئی دلیل پیش نہیں ہوسکتی۔

ظاہر ہے کہ اسلامی تعلیمات کے حق ہونے کے دلائل کے مقابلہ میں کوئی اہل باطل دلیلِ معارض نہیں رکھتا، بلکہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالی نے انسانیت کے جسم عنصری کی صورت کے پیدائشی سلسلہ کے شروع ہونے سے پہلے سب روحوں کو بنی آدم علیہ السلام کی پیٹھوں سے نکال کر اُن سے اپنی ربوبیت کا سوال کر کے اُن سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا،اور ساتھ ہی فرمایا: **شَهِدْنَا،اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ.** ہم نے تم انسانوں سے اس لئے ربوبیت کی گواہی لے لی تا کہ قیامت کے دن نہ کہہ سکو کہ:ہمیں تو آپ کی ربوبیت (اور توحید) کی خبر بھی نہیں تھی۔

یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ عالمِ ارواح کے اقرار لینے سے عقیدۂ توحید کے متعلق کُل انسانیت پر اتمامِ حجت ہو چکا ہے، چاہے کسی کے پاس کوئی نبی و رسول پہنچا یا نہیں پہنچا، اِس کے بعد اللہ تعالی کے ذمہ کسی بھی نبی و رسول بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، مگر یہ اللہ کے کرم اور مہربانی کا اظہار ہے کہ اُس نے دوبارہ وہی عہد یاد دلانے کے لئے تاکہ انسانیت عقیدہ توحید اختیار کرے اور شرک سے بچے یکے بعد دیگرے اپنے رسول و نبی بھیجے، یہی وجہ ہے کہ جس قوم یا شخص تک کوئی بھی نبی و رسول نہیں پہنچ سکا، وہ بھی اگر عقیدۂ توحید کے بغیر مرا تو اُس کو عذاب دیا جائے گا، اس لئے اہل علم لکھتے ہیں کہ زمانہ فترتِ وحی والوں کے لئے کم از کم عقیدۂ توحید ضروری تھا، جو اِس عقیدہ پر تھا اُس کی نجات ہوگی، اور جو اِس عقیدہ پر نہیں تھا اُس کو ہرگز نجات نہیں ملے گی۔

اور جیسے نبی و رسول بھیجنے سے یاددہانی مقصود ہے، اور پوری پوری رہبری مقصود ہے، ایسے ہی نائبینِ نبی ہیں، اگر نائبینِ نبی کے ذریعے سے حجت تام نہیں ہوتی باوجودیکہ وہ قرآن وسنت کا ہی پیغام پہنچاتے ہیں، تو پھر ماننا پڑے گا کہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور نبی کے دور کے لوگوں پر ہی اتمامِ حجت ہوا ہے، بعد والوں پر نہ اتمامِ حجت ہوا، نہ وہ کفر وشرک کے سبب عذاب کے مستحق ہیں، تو پھر اُنہیں جہنم میں عذاب ہونا بھی عقلاً درست نہ ہو، اور اِس نظریہ کے مطابق تو پھر اللہ تعالی کو لازم تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کو قیامت تک کے لئے زندہ رکھتے۔

اگر نبی کریم ﷺ کے ذریعے آجانے والی کتاب وسنت واحکام دین کے بعد بھی اہل باطل کفار ومشرکین پر اتمامِ حجت نہیں ہوا تو پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے احکام پر ایمان نہ لانے والے قیامت کے دن معذور ٹھہرائے جانے چاہئیں اور اُن کو عذابِ آخرت وعذابِ جہنم ہونا بھی ظلم وزیادتی ہوگا، اور اگر آخرت کا عذاب اُن کے حق میں ظلم نہیں تو سوائے اِس کے اور کیا مطلب ہے کہ اُن پر اتمامِ حجت ہو چکا ہے۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ اِس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

وانّما لم يسمعهم هٰذا الاعتذار حينئذ على ما قيل لانهم نبهوا بنصب الادلة وجعلوا متهيئين تهيأ تاماً لتحقيق الحق، وانكار ذالك مكابرة فكيف يمكنهم ان يقولوا ذلك.(روح المعانی:۱۰۲/۹، ۱۰۳)

اُن کا یہ عذر اُس وقت اللہ تعالی نہیں سنے گا، جیسا کہ علماء نے فرمایا اِس کی وجہ یہ ہے کہ توحید پر دلائل قائم کر کے مشرکین کو متنبہ کر دیا گیا ہے، اور اُنہیں حق کی تحقیق (اور اس کو قبول کرنے) کی پوری

پوری صلاحیت بھی دے دی گئی ہے، پھر بھی اِس کا انکار ہو تو یہ محض ضد ہے، تو (جب ایسا ہے تو) وہ کیسے یہ عذر کر سکیں گے (کہ :ہمیں خبر نہ تھی۔) ؟؟

غامدی صاحب کے استادو امام امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

’’اِس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جہاں تک توحید اور بدیہیاتِ فطرت کا تعلق ہے اُن کے باب میں قیامت کے دن مواخذہ ہر شخص سے مجرد اِس اقرار کی بنا پر ہوگا جو مذکور ہوا، قطع نظر اِس سے کہ اُس کو کسی نبی کی دعوت پہنچی یا نہیں ، اگر کسی نبی کی دعوت اُس کو پہنچی ہے تو یہ گویا ایک مزید حجت اُس پر قائم ہوگئی کہ اُس کی مسئولیت دو چند ہو گئی، لیکن نبی کی دعوت اگر نہیں پہنچی تو یہ بدیہیاتِ فطرت کے معاملے میں کوئی عذر نہیں بن سکے گی، اِن پر مواخذہ کے لئے فطرت کا یہ عہد کافی ہے۔‘‘ (تدبر قرآن: ۳؍۳۹۳)

اگر توحید اختیار نہ کرنے پر محض اِس اقرار کی بناء پر مواخذہ ہوگا جب کہ انسانوں کی اکثریت کو یہ یاد نہیں تو حضور نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے احکام اور آپ ﷺ کی نبوت تو ساری دنیا پر عیاں ہو چکی ہے، ضروریاتِ دین کے درجہ کے احکام بدیہیاتِ فطرت کی طرح بدیہی ہیں تو جو اُن میں سے کسی بدیہی حکم کا انکار کرے گا وہ کیسے معذور ہوگا؟ اور اُس پر اتمامِ حجت کیوں نہیں ہو چکی؟

قرآن مجید میں ایک اور جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ. (النساء: ۱۶۵) یہ سب رسول (بمع آپ ﷺ کے) وہ تھے جو خوش خبری سنانے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تا کہ ان رسولوں کے آجانے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اس آیت سے پہلی آیات میں اللہ تعالی نے اول نبی کریم ﷺ کی طرف بحیثیت نبی کے وحی بھیجے جانے کا ذکر کیا اور پھر سابقہ نبیوں کی نبوت و رسالت اور اُن پر وحی نازل ہونے کا ذکر کیا، اس لئے یہ آیت سابقہ نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو بھی شامل ہے، اور لفظ "**النّاس**" عام ہے اِس سے خاص لوگ مثلاً نبی کریم ﷺ کے زمانے والے مراد نہیں ہیں، آپ ﷺ کے بعد کے سب زمانوں والوں کو بھی شامل ہے، اس میں اللہ تعالی نے واضح فرمایا کہ جب نبی و رسول قوموں کے پاس آجاتے ہیں تو اُن کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس کفر و شرک اور اپنے انکارِ حق پر کوئی عذر باقی نہیں رہتا، نبیوں رسولوں کے بعد لوگوں پر اللہ تعالی کی حجت تام ہو جاتی ہے، یعنی اتمامِ حجت ہو جاتا ہے۔

اس آیت کے تحت غامدی صاحب کے استاد امام امین احسن اصلاحی صاحب رسولوں کی ضرورت جو آیت سے سمجھ آرہی ہے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اس کی ضرورت یہ بتائی کہ لوگوں پر اللہ کی حجت تمام ہو جائے، یہ کہنے کا موقع کسی کے لیے باقی نہ رہے کہ اُن کے پاس اس خطرے سے آگاہ کرنے والا کوئی نہیں آیا، ورنہ وہ ہرگز کفر و بدعملی کی راہ نہ اختیار کرتے، اگر چہ خدا عزیز ہے وہ انبیاء کے بھیجے بغیر بھی لوگوں کو اُن کی نافرمانی پر سزا دیتا تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا، لیکن وہ حکیم بھی ہے، اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ وہ کسی کو سزا دے تو اتمامِ حجت کے بعد ہی دے، یہ حجت رسولوں کے آنے کے بعد پوری ہوگئی، ......اُس کی رحمت کا تقاضا یہ ہوا کہ وہ عقل وفطرت کی رہنمائی کے ساتھ وحی اور انبیاء کی رہنمائی سے بھی اس کو نوازے تاکہ عقل وفطرت کے تقاضے اس کے سامنے بالکل مبرہن ہو کر آجائیں، اور گمراہی کے لئے ادنیٰ عذر بھی باقی نہ رہ جائے۔

(تدبر قرآن: ۴۳۲/۲)

حضور ﷺ کے خطوط اتمامِ حجت کا سبب ہیں تو:

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

’’اس کے دوران میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت جزیرہ نمائے عرب سے باہر قریب کی تمام قوموں کے سامنے بھی پیش کردی، اور ان کے سربراہوں کو خط لکھ کر ان پر واضح کردیا کہ اب اسلام ہی ان کے لئے سلامتی کی ضمانت بن سکتا ہے، اس کے معنی یہ تھے کہ خدا کی جو حجت آپ کے ذریعے سے عرب کے مشرکین اور یہود ونصاریٰ پر قائم ہوئی ہے، وہ آپ کے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے جزیرہ نما سے باہر کی ان قوموں پر بھی قائم ہو جائے گی، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ رسولوں کی طرف سے اتمامِ حجت کے بعد دنیا ہی میں جزا و سزا کے قانون کا اطلاق ان قوموں پر بھی کیا جائے، چنانچہ یہی ہوا اور جزیرہ نما میں اپنی حکومت مستحکم کر لینے کے بعد صحابہ کرام اس اعلان کے ساتھ ان اقوام پر حملہ آور ہو گئے کہ اسلام قبول کرو یا زیردست بن کر جزیہ دینے کے لئے تیار ہو جاؤ، اس کے سوا اب زندہ رہنے کی کوئی صورت تمہارے لئے باقی نہیں رہی، ......اس سے واضح ہوا کہ یہ محض قتال نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا جو اتمامِ حجت کے بعد سنتِ الٰہی کے عین مطابق اور ایک فیصلہ خداوندی کی حیثیت سے پہلے عرب کے مشرکین اور یہود ونصاریٰ پر اور اس کے بعد عرب سے باہر کی بعض قوموں پر نازل کیا گیا۔‘‘ (میزان: ۵۹۹)

سوال یہ ہے کہ **اول** تو وہ خطوط جو آپ ﷺ نے بھیجے تھے وہ چند ہیں اور خاص خاص بڑے حاکموں کے پاس بھیجے گئے، جب کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن کے علاوہ ایسے علاقہ والوں سے بھی جہاد کیا ہے جن تک یہ خطوط نہیں پہنچے، تو اُن پر اتمامِ حجت تو نہ ہوا پھر اُن حضرات نے کیوں جہاد کیا؟

ثانی: وہ خطوط بادشاہوں کے پاس بھیجے گو اُن کی عوام اُن کے تابع ہو مگر اَن پڑھ عوام کے بہت

سے افرادِ اُن خطوط سے ناواقف تھے، پھر اُن عوامی لوگوں پر اتمامِ حجت تو نہ ہوا؟

ثالث: اُن خطوط میں صرف اتنا ہی تھا کہ اسلام لاؤ تو یہ فائدہ ہے، نہ لاؤ تو یہ نقصان ہوگا، خطوط میں کافی تفصیل تو نہیں ہے، اسلام کی حقانیت کے دلائل، توحید و رسالت کی حقانیت پر براہین تو پیش نہیں کئے گئے، پھر اتمامِ حجت کیسے ہوگیا؟

رابع: اگر محض خطوط (غیر مدلّلہ) سے اتمامِ حجت ہوجاتا ہے تو نبی کریم ﷺ کو جو کتابِ مدلّل دی گئی اور وہ تقریباً ساری دنیا تک پہنچ چکی ہے (غیر مسلم تک اُس کو سمجھنے میں کوشاں ہیں، ریسرچ میں لگے ہیں، اور اُس کا نبی کریم ﷺ کے ذریعے انسانوں کو ملنا مانتے ہیں) تو اُس کے ذریعے کیوں اتمامِ حجت نہیں ہوا؟ اگر نبی کے خطوط پہنچ جائیں چاہے خود نبی کی ذات نہ پہنچے تو اتمامِ حجت ہوجاتا ہے، تو نبی کے ذریعے ملنے والی محفوظ ہدایاتِ الٰہی پہنچ جائیں تو کیوں اتمامِ حجت نہیں ہوجاتا؟

نیز اگر خطوط پہنچے اور نبی نہ پہنچے تو وہ خطوط بھی نبی کے نائب صحابی کے ذریعے پہنچے، اور اتمامِ حجت ہوگیا، تو اگر نبی کے نائب امتی کے ذریعے نبی کے لائے ہوئے احکام اور کتابُ اللہ انسانوں تک پہنچے تو کیوں اتمامِ حجت نہیں ہوجاتا؟

یا پھر یوں کہو کہ اُس وقت خطوط کی نبی کی طرف نسبت تو قطعی تھی، اس لئے اُن سے اتمامِ حجت ہوا، لیکن قرآن مجید قطعی نہیں ہے، ظنی ہے اس لئے اتمامِ حجت کا ذریعہ نہ بن سکا، اور اتمامِ حجت نہ ہوا؟

متواترات وضروریات دین اتمام حجت کا سبب ہیں:

امام ابوبکر احمد بن الحسین بیہقی (م ۴۵۸ھ) تواترِ معنوی سے ثابت معجزات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهٰذا احد وجوه التواتر الذی یثبت بها الحجة وینقطع بها العذر (الاعتقاد: ۱۵۸)

یہ تواتر کی اُن صورتوں میں سے ایک ہے جس کے ساتھ حجت ثابت ہوجاتی ہے، اور جس کے ذریعے (جہالت کا) عذر ختم ہوجاتا ہے۔

اور جب تواترِ معنوی سے حجت تام ہوجاتی ہے اور عذر ختم ہوجاتا ہے، تو تواتر کی باقی اقسام سے بھی یقیناً حجت تام ہوجاتی ہے، اور عذر ختم ہوجاتا ہے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ (۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں:

والمراد بالضروریات علی ما اشتهر فی الکتب ماعلم کونه من دین محمد بالضرورة بان تواتر عنه واستفاض و علمته العامة کالوحدانیة والنبوة وختمها بخاتم الانبیاء وانقطاعها بعده......وکالبعث والجزاء ووجوب الصلوة والزکاة وحرمة

الخمر ونحوها،سمی ضروریاًلان کل احد یعلم ان ھذاالامرمثلاً من دین النبی ﷺ و لابد ،فکونھامن الدین ضروری وتدخل فی الایمان ،لایریدون ان الاتیان بھابالجوارح لابدمنه کمایتوھم ،فقد یکون استحباب شیء اواباحته ضروریایکفرجاحده ولایجب الاتیان به. (اکفار الملحدین:۲،۳)

ضروریات دین سے مراد جیسا کہ کتابوں میں مشہور ہے وہ ہے جس کا نبی کریم ﷺ کے دین میں سے ہونا بدیہی طور پر معلوم ہو،اس طرح کہ آپ ﷺ سے متواتر طریقے پر منقول اور مشہور ہو،اور عام لوگ اُس کو جانتے ہوں،مثلاً عقیدہ توحید،رسالت،حضور ﷺ پر نبوت کا ختم ہونا آپ کے بعد نبوت بند ہو جانا،اور قیامت میں کھڑا ہونا،جزا سزا ہونا،نماز زکوۃ کی فرضیت،شراب حرام ہونا وغیرہ،اِس کو ضروری (بمعنی بدیہی) اس لئے کہتے ہیں کہ ایسے کام سے متعلق ہر آدمی جانتا ہوتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے دین کا حصہ اور ضروری ہے،تو ایسے کام کا دین میں سے ہونا بدیہی ہوتا ہے،اور ایمان میں داخل ہوتا ہے،اِس سے یہ مراد نہیں کہ ایسے ہر کام کو عمل میں لانا بھی ضروری ہوتا ہے(ایمان لانا ضروری ہے) کیوں کہ کبھی کوئی کام مستحب یا مباح ہوتا ہے اور بدیہی (ضروریات دین میں سے) ہوتا ہے،جس کے منکر کو کافر قرار دیا جاتا ہے لیکن اُس کو کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

فمن جحدشیئااواحدامن الضروریات فقدآمن ببعض الکتاب وکفرببعضه، وھومن الکافرین وان رکض الی بلادالصین واوربا، لنشرما زعمه دیناورآه الجاھلون خدمة الاسلام (صفحه:۴)

جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرے،وہ کتابُ اللہ کے کچھ حصہ پر ایمان رکھے ہوئے ہے،اور کچھ حصہ کا انکار کر رہا ہے،اور وہ کافروں میں سے ہے چاہے اپنے خیال میں اُس کو دین سمجھ کر چین ویورپ پھیلانے کے لئے چلا جائے اور جاہل لوگ اُس کو دینِ اسلام کی خدمت سمجھیں۔

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ (م بعد ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں:

وفی اصطلاح المتکلمین [اھل القبلة]من یصدق بضروریات الدین ای الامورالتی علم ثبوتھافی الشرع واشتھر فمن انکرشیئامن الضروریات کحدوث العالم وحشرالاجسادوعلم الله سبحانه بالجزئیات وفرضیة الصلوة والصوم لم یکن من اھل القبلة ولوکان مجاھدافی الطاعات وکذالک من باشرشیئامن امارات التکذیب

کسجود الصنم والاھانة بامر شرعی والاستھزاء علیه فلیس من اھل القبلة ومعنی عدم تکفیر اھل القبلة ان لایکفر بارتکاب المعاصی ولابانکار الامور الخفیة غیر المشھورة، ھذاماحققه المحققون فاحفظه. (النبراس شرح شرح العقائد:۳۴۲)

متکلمین کے اصطلاح میں اہل قبلہ (مسلمان) وہ ہیں جو ضروریات دین کی تصدیق کرنے والے ہوں، ضروریات دین وہ چیزیں ہیں جن کا شریعت میں ثبوت معلوم اور مشہور ہو، جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے چاہے نیکیوں میں خوب مجاہدہ کرنے والا ہو وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے مثلاً عالم حادث ہونا، قیامت میں اجسام کا حشر، اللہ تعالی کا سب جزئیات کو جاننا، نماز وروزہ کی فرضیت، وغیرہ، ایسے ہی جس شخص سے تکذیب کی کوئی علامت ظاہر ہو وہ بھی اہل قبلہ میں سے نہیں ہے مثلاً بت کو سجدہ کرلے، یا شرعی کام کی اہانت کرے، اُس کا مذاق کرے، اور اہل قبلہ کا فر قرار نہ دیئے جانے سے مراد یہ ہے کہ گناہوں کے ارتکاب پر، اور مخفی غیر مشہور بات کا انکار کرنے پر کافر قرار نہ دیئے جائیں گے، محققین کی یہی تحقیق ہے اِس کو یاد کرلو۔

غامدی صاحب کے استادو امام امین احسن اصلاحی صاحب کا یہ حوالہ ابھی اوپر گذرا

''اِس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جہاں تک توحید اور بدیہیاتِ فطرت کا تعلق ہے اُن کے باب میں قیامت کے دن مواخذہ ہر شخص سے مجرد اِس اقرار کی بنا پر ہوگا جو مذکور ہوا، قطع نظر اِس سے کہ اُس کو کسی نبی کی دعوت پہنچی یا نہیں، اگر کسی نبی کی دعوت اُس کو پہنچی ہے تو یہ گویا ایک مزید حجت اُس پر قائم ہوگئی کہ اُس کی مسئولیت دو چند ہوگئی، لیکن نبی کی دعوت اگر نہیں پہنچی تو یہ بدیہیاتِ فطرت کے معاملے میں کوئی عذر نہیں بن سکے گی، اِن پر مواخذہ کے لئے فطرت کا یہ عہد کافی ہے۔'' (تدبر قرآن:۳۹۴/۳)

جب فطری بدیہیات کے انکار کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا تو دینی بدیہیات کے انکار کا عذر کیسے قابلِ قبول ہوگا؟ گویا کہ کسی اعلیٰ یا ادنیٰ دینی ثابت بدیہی ضروری بات کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسی بات کا محض بدیہی ہونا ہی عذر ختم کرنے کے لئے اور اتمامِ حجت کے لئے کافی ہے، اور بدیہی ہر وہی بات ہے جو تواتر کے ساتھ ثابت ہو، گویا بدیہی و متواتر لازم ملزوم ہیں، اور ہمارا دینِ اسلام سوائے چند جزئی باتوں کے تواتر سے ثابت چلا آرہا ہے۔

ثم ان التواتر یزعمه بعض النّاس قلیلاً وھو فی الواقع یفوت الحصر فی شریعتنا، ویعجز الانسان ان یفھرسهٗ ویذھل الانسان عن التفاته فاذاالتفت الیه رآهُ متواتراً وھٰذا کالبدیھی کثیرامایذھل عنه ویحفظ النظری (اکفار الملحدین:۶)

پھر بعض لوگ تواتر کو کم واقع سمجھتے ہیں حالاں کہ حقیقت میں ہماری شریعت میں متواتر احکام

کا شمار نہیں ہوسکتا، اور اُس کی فہرست بنانے سے انسان عاجز ہو جاتا ہے، انسان اُس کی طرف توجہ نہیں کرتا، توجہ کرے تو اُس کو متواتر سمجھے گا، اور یہ متواتر بدیہی کے برابر ہے، اِس کی طرف بہت دفعہ توجہ نہیں کی جاتی، اور نظری بات کو یاد رکھا جاتا ہے۔

اہل علم نے متواترات پر بعض کتابیں بھی لکھی ہیں، اِس دور میں علامہ محمد بن جعفر کتانی رحمہ اللہ کی کتاب "نظم المتناثر" کافی مشہور اور مقبول ہوئی ہے، مگر وہ کُل متواتراتِ دین سے متعلق نہیں متواتر احادیث سے متعلق ہے، اس لئے متواترات پر مزید کام کرنے کی کافی ضرورت باقی ہے۔

اکثر احکامِ دین متواتر ہیں:

اصولی حضرات متواترات کی صرف چند مثالیں ذکر کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دینِ اسلام کا زیادہ تر حصہ متواتر طریقہ سے ثابت ہے، مثلاً قرآن مجید کی نقل، نمازوں کا پانچ ہونا، نمازوں کی رکعات، پانچوں نمازوں اور جمعہ کی اذان، اذان کی ابتداء تکبیر سے انتہاء کلمہ کے صرف پہلے جزء پر، وضو سے پہلے استنجاء، وضو کے اندر کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک، داڑھی کا خلال، وضو میں پاؤں دھونا، موزوں پر مسح، نماز کے لئے قبلہ بیت اللہ یعنی کعبہ، ابتداء میں تکبیر تحریمہ و آخر میں سلام، قیام میں ہاتھ باندھنا، نماز میں فاتحہ کا وجوب، رکوع کے بعد تسمیع و تحمید، تشہد، قعدہ میں کلمہ کے وقت انگلی کا اشارہ، درود شریف، دو سلام، نماز فجر و عصر کے بعد نفل نماز کی کراہت، قبروں کے سجدوں کی ممانعت، نماز وتر، نماز ضحیٰ (چاشت، اشراق) آیاتِ سجود پر سجدہ، سفر میں چار رکعات کے بجائے دو رکعات، نماز جمعہ، وعیدین، قبر میں فرشتوں کا سوال، ثواب و عذابِ قبر، قبر کی زندگی، زکوۃ کے نصابوں کی مقداریں، سال گذرنے کی شرط، سادات زکوۃ کا مصرف نہیں، رمضان کے روزے، چاند نظر آنے پر رمضان اور عید کرنی ہے، سحری کھانا، بیتُ اللہ کا حج، حج کی قسم قِران، وقوف عرفات، جمرات کو کنکریاں مارنا، عمرہ، ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا، قربانی کرنا، خوارج فرقہ کے متعلق پیشین گوئی، حضرات خلفاء اربعہ کی صحابیت وخلافت، وبشارتِ جنت، حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی شہادت، نکاح سنت، پھوپھی و بھتیجی، خالہ و بھانجی نکاح میں جمع کرنے کی حرمت، مردوں کے لئے سونا وریشم کے استعمال کی حرمت، گدھوں کے گوشت کی حرمت، شراب و ہر نشہ آور چیز حرام، ملاوٹ کی حرمت، خصوصاً چھ چیزوں میں سود کی حرمت، شراب پینے پر کوڑوں کی سزا، مدعی کے ذمہ گواہ، مدعی علیہ کے ذمہ قسم، بسمِ اللہ قرآن کا جزو، تحریراً ہر سورت کا جزو، آیاتِ قرآنی کی ترتیبِ موجودہ توقیفی، حضور ﷺ کے دور میں قرآن مجید لکھا جانا، موجودہ مصحف کا صحابہ کے دور میں مرتب ہونا، آپ ﷺ کا دعا کرنا، دعاء میں ہاتھ اٹھانا، حضور ﷺ پر جھوٹ بولنے کی وعید، ہر اچھا و مناسب کام دائیں طرف سے شروع کرنا، دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا، پانی وغیرہ پینا۔

حضورﷺ کی ازواج مطہرات،اوراُن کے نام،آپ ﷺ کا صاحبِ اولاد ہونا،حضرت فاطمہؓ کا صاحبزادی ہونا،حضورﷺ کے ہاتھوں کئی معجزات ظاہر ہونا،چاند کاٹکڑے ہونا،قرآن مجید کی ایک سے زیادہ قراآت۔

صحابہ کرام کی دو جماعتوں میں لڑائی،اورایک جماعت کا(صورۃً)باغی ہونا،صحابہ کا باقی امت سے افضل ہونا،مدینہ طیبہ حرم ہے،احد پہاڑ کی فضیلت،حضورﷺ کی نبوت کا ساری دنیا کے لئے ہونا،خاتم النبیین ہونا،واقعہ معراج،منبر بننے پر آپ ﷺ کی جدائی کے سبب کھجور کی چھڑی کا رونا۔

آپ ﷺ کا قیام اللیل،اونٹوں‘ درختوں‘ جانوروں وغیرہ کی آپ ﷺ سے گفتگو،خواب نبوت کے اجزاء میں سے ہے،خواب میں حضورﷺ کی زیارت ہونا،آسمان وزمین سات سات،ربیع الاول میں پیر کے دن آپ ﷺ کی پیدائش،ہجرت،وفات،جنات کا وجود،ریاء گناہ ہے،آخرزمانہ میں فتنوں کا ظہور،امام مہدی،دجال کا آنا،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ونزول،آخرت میں جسم وروح سمیت اٹھنا،پل صراط،میزان میں اعمال تُلنا،شفاعت،جنت،دوزخ،اللہ تعالی کا دیدار،حوض،کوثر،گناہگارمسلمانوں کا دوزخ میں جانا،پھراُن کا دوزخ سے نکلنا،اوردوزخ میں صرف کافروں کا ہمیشہ کے لئے رہنا،جنت ودوزخ کے لئے بقاء،وغیرہ،وغیرہ،یہ سب اور اِن کے علاوہ بہت سی باتیں متواتر ہیں۔

والمتواتر منه المتواتر لفظا كالقرآن العظيم، وكنبذ يسيره من الاحاديث منها قوله صل الله عليه وسلم انكم سترون ربكم "، ومنه المتواتر معنى ككثير من احكام الطهارة والصلاة والزكاة والصوم والحج والبيوع والنكاح والغزوات مما لم يختلف فيه فرقة من فرق السلام.(قواعدالتحديث من فنون مصطلح الحديث: ١٧٢، لمحمدجمال الدين بن محمدسعيد القاسمى م١٣٣٢ه)

متواتر کی ایک قسم متواتر لفظی ہے،جیسے قرآن مجید،اورکچھ حدیثیں بھی ہیں،جن میں سے یہ حدیث ہے کہ تم اپنے رب کو دیکھوگے،اور ایک متواتر معنوی ہے،جیسے طہارت،نماز،زکوۃ،روزہ،حج،خریدوفروخت،نکاح،جہادوغیرہ کے احکام جن میں اسلامی (کہلانے والے) فرقوں میں سے کسی فرقے نے اختلاف نہیں کیا۔

جب زیادہ تر دینی احکام تواتر سے ثابت ہیں،تو تواتر سے حجت قائم ہوجاتی ہے،جہالت کا عذر ختم ہوجاتا ہے،یہاں دوبارہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے الفاظ دہرائے جاتے ہیں،تواتر معنوی کا ذکر کرکے فرماتے ہیں:**وهٰذااحدوجوه التواترالذى يثبت بهاالحجة وينقطع بهاالعذر(الاعتقاد:١٥٨)** یہ تواتر کی اُن صورتوں میں سے ایک ہے جس کے ساتھ حجت ثابت ہوجاتی ہے،اورجس کے ذریعے (جہالت

کا) عذر ختم ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اب جو متواتراتِ دینی کا انکار کرے گا (ٹھیک ہے کہ اُس کو سمجھانے کی کوشش ہونی چاہیے، مگر پھر بھی وہ انکاری رہے) تو اب کیسے یہ کہنا درست ہوگا کہ ابھی وہ معذور ہے، اُس پر اتمامِ حجت نہیں ہوا؟ لہٰذا اُس کو یہ نہ بتایا جائے اور نہ کہا جائے کہ اِس انکار کے سبب تو کفر میں مبتلا ہو گیا ہے، لہٰذا اپنے ایمان کی فکر کر؟

تو غامدی صاحب کا نظریہ اتمامِ حجت بھی بلا دلیل دعوی ہے، اپنی طرف سے بنائے ہوئے مختلف دعووں سے مرکب کر کے اُن کے مجموعہ کو دلیل سمجھ بیٹھے ہیں، حالاں کہ اِس پر دلیل اُن کی کسی بھی عبارت میں مذکور نہیں ہے، اور دنیا میں یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے یہ نظریہ گھڑا اور پھر اُس پر ایسے بہت سے مسائل ونظریات استوار کئے جو دعوے کی طرح ساری امت سے کٹے ہوئے ہیں، دراصل یہ اُن کے استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تعلیم ہے۔

''اُن کا ارشاد تھا کہ قلم اس وقت اٹھایئے جب کوئی نئی حقیقت سامنے آئے۔''

(قومی ڈائجسٹ اکتوبر ۲۰۰۸ء صفحہ: ۱۷)

اس لیے امت کو نئی تحقیقات سے بہرہ ور کرنے لگے ہیں، آخر نئی تحقیق اور نئے نظریہ کے بغیر شہرت کیسے ہوگی؟ کوئی نام کیسے لے گا؟ امام ابوحنیفہ وشافعی واحمد ومالک رحمہم اللہ کے مسائل ونظریات سے ٹکر لینے سے بڑا نام ہوگا کہ: یہ وہ ہستی ہے کہ ایسی تحقیق کی کہ اگر یہ ائمہ آج ہوتے اور یہ تحقیق سنتے تو اپنی تحقیقات سے رجوع کرتے۔ **سبحان اللہ!**

بہر حال جب اُن کا یہ اصولِ اتمامِ حجت غلط ہے تو اُس کی بنیاد پر استوار اُن کے اجتہادی نظریات بھی غلط ہیں، اِس اصول پر مبنی اُن کے چند مسائل درج ذیل ہیں:

مرتد کی سزا قتل، اور غامدی نظریہ:

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''ارتداد کی سزا (یعنی قتل) کا یہ مسئلہ محض ایک حدیث کا مدعانہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، ابن عباس کی روایت سے یہ حدیث بخاری میں اس طرح نقل ہوئی ہے:

مَن بدّل دينه فاقتلوه (رقم ۳۰۱۷) جو شخص اپنا دین تبدیل کرے، اُسے قتل کردو! ہمارے فقہاء اسے بالعموم ایک حکم عام قرار دیتے ہیں، جس کا اطلاق اُن کے نزدیک ان سب لوگوں پر ہوتا ہے جو زمانہ رسالت سے لے کر قیامت تک اس زمین پر کہیں بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کریں گے، ان کی رائے کے مطابق ہر وہ مسلمان جو اپنی آزادانہ مرضی سے کفر اختیار کرے گا، اسے اس حدیث کی رو سے لازماً قتل کر دیا جائے گا...... فقہاء احناف البتہ عورت کو اس حکم سے مستثنی قرار دیتے ہیں......

لیکن فقہاء کی یہ رائے محل نظر ہے، رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم تو بیشک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا، بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جن پر آپ نے براہ راست اتمامِ حجت کیا، اور جن کے لئے قرآن مجید میں مشرکین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے ......وہ لوگ جن میں رسول کی بعثت ہوتی ہے اور جنہیں اس کے ذریعے سے براہ راست دعوت پہنچائی جاتی ہے، ان پر چونکہ آخری حد تک اتمامِ حجت ہو جاتا ہے، اس وجہ سے اس اتمامِ حجت کے بعد بھی وہ اگر ایمان نہ لائیں تو اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون قرآن مجید میں پوری صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ وہ پھر اس کی زمین پر زندہ رہنے کا حق کھو دیتے ہیں، زمین پر وہ آزمائش ہی کے لیے رکھے گئے تھے، اور رسول کے اتمامِ حجت کے بعد یہ آزمائش چونکہ آخری حد تک پوری ہو جاتی ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قانون بالعموم یہی ہے کہ اس کے بعد زندہ رہنے کا یہ حق اُن سے چھین لیا جائے، اور اُن پر موت کی سزا نافذ کی جائے، اس قانون کے مطابق رسول کے براہ راست مخاطبین پر موت کی یہ سزا اس طرح نافذ کی جاتی ہے کہ رسول اور اُس کے ساتھیوں کو اتمامِ حجت کے بعد اگر کسی دار الہجرت میں سیاسی اقتدار حاصل نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ابر و باد کی ہلاکت خیزیوں کے ساتھ نمودار ہوتا ہے، اور رسول کی قوم کو موت کی نیند سُلا دیتا ہے، ......لیکن اس کے برعکس اگر رسول کو کسی سرزمین میں سیاسی اقتدار حاصل ہو جائے تو قوم کے مغلوب ہو جانے کے بعد اُس کے ہر فرد کے لئے موت کی سزا مقرر کر دی جاتی ہے، جو رسول اور اُس کے ساتھی اُس پر نافذ کرتے ہیں، نبی ﷺ کے ساتھ چونکہ یہی دوسری صورت پیش آئی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مشرکین میں سے جو لوگ ۹ رہجری حج اکبر کے دن تک ایمان نہ لائیں اُن کے لئے اِسی تاریخ کو میدان عرفات میں اعلان کر دیا جائے، کہ ۹ر ذی الحجہ سے محرم کے آخری دن تک اُن کے لئے مہلت ہے، اس کے بعد بھی وہ اگر اپنے کفر پر قائم رہے تو موت کی سزا کا یہ قانون اُن پر نافذ کر دیا جائے گا، چنانچہ فرمایا ہے: **فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم ..... الایۃ** (برہان: ۱۴۰، ۱۴۱)

جواب:

حلفیہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی اِس آیت کا مرتد اور اُس کے حکم سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے، آیت مشرکینِ عرب سے متعلق ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مرتدوں سے متعلق ہے، اس لیے آیت اور حدیث کا کچھ بھی جوڑ نہیں ہے، یہ محض غامدی صاحب کی لفاظی ہے جس کے ذریعے بزوری حدیث کو آیت سے جوڑنا چاہتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ نے نہیں فرمایا وہ اللہ و رسول کے ذمہ لگانا دین کی خدمت سمجھتے ہیں، رہی یہ بات کہ اِس آیت کا تعلق مرتد اور اُس کے حکم سے نہیں، اِس کی دلیل کیا ہے؟

یہ بات آپ کو ارتداد اور مرتد کی تعریف سے سمجھ آ سکے گی۔

ارتداد اور مرتد کی مراد:

ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنے کے لئے دو لفظ بولے جاتے ہیں **ارتداد**،**ردّة**، دونوں کا مادہ" **ردد**" ہے،**ردّ** کا معنی ہے کسی شیء کی ذات کو پھیر دینا، یا اُس کے کسی حال کو پھیر دینا،قرآن مجید میں اِس مادہ کا بکثرت ذکر ہے،ذات کو پھیرنا اِن آیتوں میں ذکر ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ. اگر اُن جہنمیوں کو واپس (دنیا میں) لوٹایا جائے تو وہ پھر بھی وہی حرکتیں کریں گے جن سے اُنہیں منع کیا گیا،اور وہ (دوبارہ دنیا میں جا کر نافرمانیاں چھوڑنے اور نیکیاں کرنے کا جو کہتے ہیں) جھوٹ بولتے ہیں۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰى اُمِّهٖ : ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی ماں کی طرف واپس کیا،حال کو پھیرنے کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے۔ **يَرُدُّوْكُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ.** وہ کافر تم کو واپس کر دیں گے تمہاری ایڑیوں کے بل۔

یعنی اگر کفار کا کہا مانو گے تو دوبارہ تمہیں اُس کفر میں پھیر دیں گے جس سے تم نکل کر ایمان کی طرف آئے ہو۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْيَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِاِيْمَانِكُمْ كُفَّاراً. بہت سے اہل کتاب تمنا کرتے ہیں کہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر بنا کر (کفر کی طرف) پھیر دیں۔

اِسی مادہ سے ارتداد ہے،امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والارتداد والردة الرجوع فی الطریق الذی جاء منه ،لکن الردة تختص بالکفر و الارتداد یستعمل فیه وفی غیره ،قال الله تعالی اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ، وقال يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ ،وهو الرجوع من الاسلام الی الکفر الخ.

(المفردات:۱۹۸،۱۹۹)

ارتداد اور **ردة** اُس راستے میں لوٹنا ہے جس سے آیا ہو،لیکن **ردة** کفر کے ساتھ خاص ہے،اور **ارتداد** کفر میں بھی اور کفر کے علاوہ میں بھی استعمال ہوتا ہے،اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''بیشک وہ لوگ جو اپنی پیٹھوں کے بل واپس پھر گئے۔''اور فرمایا:''اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھرے گا۔'' ارتداد اسلام سے کفر کی طرف پھرنے کا نام ہے۔

امام راغب کی طرح دوسرے ائمہ لغت بھی یہی بیان کرتے ہیں،اِس سے واضح ہوا کہ ارتداد کا مفہوم ہی ایمان کے بعد کفر کی طرف واپس پھرنا ہے،اور اِسی سے مرتد کا مفہوم بھی یہی واضح ہو گیا ہے کہ مرتد

وہ مؤمن شخص ہے جو اسلام سے پھر جائے۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں ارتداد اور اُس پر وعیدیں آئی ہیں، اور احادیث میں بھی ذکر آیا ہے، اُس کو سامنے رکھنے سے بھی ارتداد کا یہ مفہوم خوب واضح ہوتا ہے، مثلاً:

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا،وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ.فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (البقرة :۲۱۷)

یہ کافر مسلسل تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر کر سکیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں، اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھرے گا اور پھر کافر ہو کر مرے گا تو ایسوں کے اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے۔

اِس آیت میں مسلمان مخاطب ہیں، اور اُن کو مرتد ہونے سے روکا گیا، اور وعید بیان کی گئی، اِس سے ثابت ہوا کہ مرتد وہ مسلمان کہلاتا ہے جو اسلام سے پھر جائے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ، اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ،اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ،يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الاية (المائدة: ۵۴)

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے ایمان سے پھرے گا تو عنقریب اللہ تعالی ایسے لوگ ظاہر کرے گا جن سے اللہ تعالی محبت کرے گا، اور وہ اللہ تعالی سے محبت کریں گے، مؤمنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے۔

اِس آیت میں بھی ایمان والوں کو (گو منافقانہ طریقہ پر ایمان لانے والے مراد ہوں جیسا کہ اصلاحی صاحب لکھتے ہیں) صاف لفظوں میں مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد ہوں گے (جو ارتداد منافقت کے پردہ سے نکل کر کھلا زبانی یا عملی کفر کرنے سے ہوگا) تو اللہ تعالی اُن سے جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے مجاہدین ظاہر کر دے گا جو اُن مرتدوں سے جہاد کریں گے، چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ کے فوراً بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایسے واقعات ہوئے، اور ان سے جہاد کیا گیا۔

تو اس آیت سے بھی ظاہر ہوا کہ ارتداد ایمان لانے کے بعد کفر کے ارتکاب کا نام ہے۔

ثابت ہوا کہ مرتد وہ ہے جو اول ایمان لایا ہو، پھر ایمان سے نکل کر کفر میں داخل ہوا ہو، تو جب آیت میں اُن مشرکین کا ذکر نہیں جو پہلے ایمان لائے ہوں پھر ایمان سے پھرے ہوں ، بلکہ اُن مشرکین کا ذکر ہے جو شروع زندگی سے آیت اترنے تک مشرکین ہی تھے ، اور ایک دن بھی ایمان نہیں لائے تو وہ مرتدین کا مصداق نہ ہوئے ، اور جب وہ مرتدین کا مصداق نہیں ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث اُن مشرکین سے متعلق کیسے ٹھہرے گی؟ اور اِس آیت میں مرتدین کی سزا کا ذکر کیسے مانا جائے گا؟

لہٰذا غامدی صاحب نے آیت کریمہ اور حدیث کے مفہوم میں سخت غلطی کی ہے جو تحریف معنوی ہے۔

دوسری حدیث کے مفہوم میں غلطی:

اِسی ضمن میں غامدی صاحب لکھتے ہیں

’’یہی قانون ہے جس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمائی!

امرتُ ان اقاتل النّاس حتی یشهدوا ان لااِلٰه الاالله وان محمدارسولُ الله ویقیموا الصلوة ویؤتوا الزکوة ،فاذا فعلوا عصموامنّی دماء هم واموالهم الابحقها وحسابهم علی الله (مسلم رقم: ۱۲۹)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اُن لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ **لااِلٰه الاالله محمد رسول الله** کی شہادت دیں، نماز کا اہتمام کریں، اور زکوۃ ادا کریں، وہ یہ شرائط تسلیم کرلیں تو اُن کی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں گے، الا یہ کہ وہ اسلام کے کسی حق کے تحت اس حفاظت سے محروم کر دیئے جائیں، رہا باطن کا حساب تو وہ اللہ کے ذمہ ہے۔

یہ قانون جیسا کہ ہم نے عرض کیا صرف اُن مشرکین کے ساتھ خاص تھا، جن پر نبی نے براہ راست اتمامِ حجت کیا، اُن کے علاوہ اب قیامت تک کسی دوسری قوم یا فرد کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، ...... ہماری اس بحث سے اللہ تعالی کا یہ قانون اگر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے، تو اس کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ ان مشرکوں میں سے کوئی شخص اگر ایمان لانے کے بعد پھر کفر اختیار کرتا تو اُسے بھی لامحالہ اسی سزا کا مستحق ہونا چاہیے تھا، وہ لوگ جن کے لئے کفر کی سزا موت مقرر کی گئی، وہ اگر ایمان لا کر پھر اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹتے، تو لازم تھا کہ موت کی یہ سزا اُن پر بھی بغیر کسی تردد کے نافذ کر دی جائے، چنانچہ یہی وہ ارتداد ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’**من بدل دینه فاقتلوه**، نبی ﷺ کے اس حکم میں مَن اسی طرح زمانہ رسالت کے مشرکین کے لئے خاص ہے، جس طرح اوپر ’’ **امرتُ ان اقاتل النّاس** ‘‘ میں ’’**النّاس**‘‘ اُن کے لئے خاص ہے، حضور ﷺ کے ارشاد کی اصل جب قرآن مجید میں اس خصوص کے ساتھ موجود ہے تو اُس کی اِس فرع میں بھی یہ خصوص لازماً برقرار رہنا چاہیے، ہمارے فقہاء کی غلطی یہ ہے کہ اُنہوں نے **النّاس** کی طرح اِسے قرآن میں اس کی اصل سے متعلق کرنے اور قرآن وسنت کے باہمی ربط سے اس حدیث کا مدعا سمجھنے کے بجائے اِسے عام ٹھہرا کر ہر مرتد کی سزا موت قرار دے دی، اور اس طرح اسلام کے حدود وتعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اضافہ کر دیا جس کا وجود ہی اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے۔‘‘(برہان: ۱۴۱،۱۴۲،۱۴۳)

جواب:

غامدی صاحب کی اس عبارت میں کئی باتیں محل نظر ہیں۔

اول: اِس عبارت سے واضح ہوا کہ غامدی صاحب ارتداد اور مرتد کا مفہوم اچھی طرح جانتے ہیں، کہ مرتد وہ شخص ہے جو ایمان لانے کے بعد پھر کفر اختیار کر لے، تو جب جانتے ہیں تو مشرکین کو مرتدین کا مصداق کیسے قرار دیتے ہیں؟

اِس بارے میں یہاں غامدی صاحب نے چکر دیا ہے کہ ’’ان مشرکوں میں سے کوئی شخص اگر ایمان لانے کے بعد پھر کفر اختیار کرتا تو اُسے بھی لامحالہ اسی سزا کا مستحق ہونا چاہیئے تھا، وہ لوگ جن کے لئے کفر کی سزا موت مقرر کی گئی، وہ اگر ایمان لا کر پھر اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹتے، تو لازم تھا کہ موت کی یہ سزا اُن پر بھی بغیر کسی تردد کے نافذ کر دی جائے۔‘‘

اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اوپر جو آیت غامدی صاحب نے مشرکین کے متعلق لکھی **’’فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم .....الآیۃ‘‘** اور اُنہی مشرکین کو مرتدین کا مصداق ٹھہرایا، وہ آیت اگرچہ لفظاً مطلق ہے کہ اُن مشرکین کو چند دن کی مہلت کے بعد اگر ایمان نہ لائے تو موت کی سزا دینے کا حکم دیا گیا، لیکن اب غامدی صاحب کی کھینچ تان سے مطلق نہیں رہی ہے بلکہ مقیّد اور خاص ہوگئی ہے، اس طرح کہ اُن مشرکین کو محض مشرکین ہونے کی بناء پر قتل کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ وہ مشرکین اگر ایمان لائیں اور ایمان لانے کے بعد پھر مرتد ہوجائیں تو تب اُن کے قتل کا حکم ہے، یعنی اگر مشرکین مشرکین ہی رہیں اور ایمان نہ لائیں تو اُن کے قتل کرنے کا حکم نہیں ہے، غور کریں کہ غامدی صاحب کی تحریف وتقریر سے آیت کا حکم بالکل لغو اور بیکار ہوگیا، بلکہ بالکل بدل گیا کہ نہ تو وہ مشرکین ایمان لائے نہ ایمان کے بعد کفر اختیار کیا نہ آیت کا حکم نافذ کیا گیا، **استغفرُ الله، ولاحول ولاقوّۃ الا بالله**

قارئین توجہ فرمائیں!

مزید اسی سے یہ واضح ہوا کہ غامدی صاحب (اور اصلاحی وفراہی) چاہیں تو اپنی تقریر وتحریر کے زور سے عام آیت اور حدیث کو خاص بنا دیں (ایسے ہی خاص کو عام بنا دیں) مگر سنت وحدیث کو یعنی نبی کریم ﷺ کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ عام آیت کو خاص بتائیں یا خاص آیت کو عام بتائیں، قارئین کو اِس بات پر خوب توجہ دینی چاہیے۔

ثانی: حدیث **مَن بدّل دینہٗ** میں **مَن** کو جو کہ عام ہے غامدی صاحب نے مشرکینِ عرب کے ساتھ خاص کر دیا، اور فقہاء نے جو عام ٹھہرایا تو اُن کی تعمیم کو اُن کی غلطی بتایا، **سُبحان الله،** حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے دور میں بھی اور اُس کے بعد بھی حدیث **مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ** کو عام سمجھتے تھے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دور میں یمن کے مرتد کو قتل کرواتے ہیں:

چنانچہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ نقل ہے کہ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن عامل بن کر پہنچے، تو حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی موجود تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اِس کو کیا ہے؟ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ یہودی تھا پھر مسلمان ہوا، پھر یہودی ہوگیا ہے، اور ہم عرصہ دو مہینہ سے اِس کو اسلام پر لانا چاہتے ہیں، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

واللہ لااقعدُ حتی تضربوا عُنُقه ،فضُرِبت عُنُقه ،فقال قضی الله ورسولُهٗ اَنَّ مَن رجع عن دینه فاقتلوه ،اوقال مَن بدّل دینَهٗ فاقتلوه. (مسنداحمد:۲۲۰۱۵، مصنف عبدالرزاق حدیث:۱۸۷۰۵، بخاری: ۶۹۲۳، ۷۱۵۷، مسلم: ۱۷۳۳/۱۵،ابن ابی شیبه:۲۸۹۸۸، ابوداؤد:۴۳۵۵)

اللہ کی قسم میں اُس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اِس کی گردن نہ ماروگے، چنانچہ اُس کی گردن ماری گئی، پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالی اور رسول ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ جو اپنے دینِ اسلام سے واپس لوٹ جائے اُس کو قتل کردو، یا فرمایا جو اپنا دین بدل دے اُس کو قتل کردو!

اِس سے صاف واضح ہوا کہ حضور ﷺ کے دور میں بھی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حدیث **مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ** کو عام سمجھتے تھے، حضور ﷺ کے زمانہ کے خاص مرتدین کے بارے میں خاص نہیں سمجھتے تھے، یہ حضور ﷺ کے دور کا واقعہ ہے، جس میں عرب کے خاص مشرکین میں سے کسی شخص کو قتل نہیں کیا گیا، بلکہ یمن کے مرتد کو قتل کیا گیا ہے، اور اگر یہ واقعہ حضور ﷺ تک پہنچا ہو تو حضور ﷺ سے بھی اِس پر کوئی بات ارشاد فرمانا نقل نہیں، اِسے غامدی صاحب کے قانون اتمامِ حجت پر بھی ضرب لگی ہے۔

خلفاء راشدین کا نظریہ، حدیث مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ عام ہے:

غامدی صاحب حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سیاق وسباق سے نظر چرا کر فقہاء کو غلطی پر بتاتے ہیں، ذرا پوری حدیث ملاحظہ ہو تو واضح ہوتا ہے کہ اگر غلطی ہے تو صرف فقہاء کی نہیں بلکہ خلفاء راشدین کی بھی غلطی ہے۔

پوری حدیث اس طرح ہے: **عن عکرمة ان علیّا رضی الله عنه حرّق قوماً،فبلغ ابنَ عباس، فقال لو کنتُ انالم احرّقهم لانّ النبی ﷺ قال لاتعذّبُوابعذاب الله، ولقتلتهم کماقال النبی ﷺ مَن بدّل دینهٗ فاقتلوهُ (بخاری حدیث: ۳۰۱۷،۶۹۲۲)**

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے نقل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ (مرتد ہونے والے،

زندیق) لوگوں کو جلا دیا، تو یہ خبر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک پہنچی ،تو فرمایا اگر سزا دینے والا میں ہوتا تو میں اُن کو نہ جلاتا کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی والا عذاب نہ دیا کرو، اور میں اُن کو قتل کر دیتا کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو اپنا دین تبدیل کر دے اُس کو قتل کر دو۔

اس پوری حدیث میں غور کریں، واضح اور پکی بات ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو موت کی یہ سزا دی یہ وہ مشرکینِ عرب نہیں تھے جو غامدی کے دماغ میں ہیں جنھیں چند مہینوں کی مہلت دی گئی تھی، کیوں کہ اُس وقت بادشاہِ اعظم نبی کریم ﷺ تھے، جب کہ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کا دورِ خلافت گذر کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی، جس سے واضح ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے دور کے صحابہ تابعین اور ایسے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اِس بات پر متفق تھے کہ مرتد جو بھی ہو اور جس زمانہ میں بھی ہو اُس کی سزا موت ہے، البتہ لگتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث نہیں پہنچی تھی ،اس لئے اُنہوں کی اُن کو موت کی سزا آگ میں جلانے کی صورت میں دی ،مگر جب اُن تک یہ حدیث پہنچی تو افسوس کیا کہ مجھے پہلے معلوم ہو جاتا تو جلانے کی صورت میں موت کی سزا نہ دیتا اور قتل کی صورت میں موت کی سزا دیتا۔

ایک اور واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس قبیلہ زُط کے کچھ لوگ لائے گئے، وہ بُت کی پوجا کر رہے تھے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کو جلا ڈالا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے: **مَن بدّل دینہ فاقتلوہ. (السنن الکبری للنسائی حدیث: ۳۵۱۴، نسائی المجتبی: ۴۰۶۵، مسند ابی یعلی: ۲۵۳۲)**
جو اپنا دین تبدیل کر لے اُس کو قتل کر دو!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کو یہ سزا دی۔

دثار بن عبید بن الابرص الاسدی (ثقہ) تابعی راوی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا، وہ پہلے عیسائی تھا، پھر مسلمان ہوا، پھر عیسائی ہو گیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسے کوئی بات پوچھی، اُس نے جواب دیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے اور اُس کو سینے پر لات ماری، تو دوسرے لوگ اٹھے اور اُنہوں نے اُسے مار مار کر قتل کر دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ح: ۲۹۰۰۷، ۳۲۷۴۰)

امام شعبی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس سے پوچھا کہ تجھے کس چیز نے اِس پر مجبور کیا؟ اُس نے کہا میں نے عیسائیوں کا دین تمہارے دین سے بہتر پایا، فرمایا حضرت عیسی علیہ السلام کے

بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ اُس نے کہا وہ میرا رب ہے، یا کہا وہ علی کا رب ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو کہا اِس کو قتل کر دو، تو لوگوں نے اُسے قتل کر دیا، اُس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (افسوس) میں تین بار اُسے توبہ کرنے کا کہتا۔ (شرح معانی الاثار بسند صحیح، حدیث: ۵۱۱۳)

امام دارقطنی نے اپنی سند سے ابن عبید کی روایت میں یہ نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسے توبہ کا کہا تھا لیکن اُس نے توبہ سے انکار کیا، تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس کو قتل کر دیا۔

(المؤتلف والمختلف: ۹۸۱/۳)

تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ تین بار توبہ کا نہ کہا، صرف ایک بار کہا، اور انکار پر حضرت علی نے قتل کر دیا، تو تین بار توبہ کا نہ کہنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے افسوس کیا۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور کا واقعہ ہے، یہ مرتد بھی عرب مشرکین میں سے نہیں ہے۔

حضرت ابوعمرو شیبانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مستورد (یا مسور) عجلی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، وہ مرتد ہو گیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس کے سامنے اسلام پیش کیا، اُس نے ماننے سے انکار کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس کو قتل کر دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ح: ۳۱۳۸۴، ۱۸۷۱۰، ۱۸۷۱۱، مصنف عبدالرزاق تفصیلاً رقم: ۱۸۷۰۹، سنن سعید بن منصور: ۱۲۳/۱، رقم: ۳۱۱، المحلی: ۱۱۱/۱۲)

حضرت ابوالطفیل (عامر بن واثلہ) رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اُس لشکر میں تھا جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنوناجیہ کی طرف بھیجا تھا، ہم اُن کے پاس پہنچے، تو وہ تین گروہ تھے، اُن میں سے تیسرے گروہ سے اُنہوں نے پوچھا تم کیسے ہو؟ اُنہوں نے بتایا کہ ہم عیسائی لوگ تھے، پھر مسلمان ہوئے، پھر عیسائیت کی طرف پھر گئے، کہ ہم نے اپنے پہلے والے دین سے افضل دین نہیں دیکھا، اس لئے ہم عیسائی ہو گئے، تو حضرت ابوالطفیل نے اُن کو کہا اسلام لاؤ، اُنہوں نے انکار کر دیا، تو حضرت ابوالطفیل نے ساتھوں سے کہا جب میں اپنے سر پر تین بار ہاتھ پھیر دوں تم اِن پر حملہ کر دینا، چنانچہ اُنہوں نے لڑ سکنے والے جوانوں کو قتل کر دیا، اور چھوٹے بچوں کو قیدی بنا لیا۔ (ابن ابی شیبہ ح: ۲۹۰۰۸)

قابوس بن مخارق سے نقل ہے کہ محمد بن ابی بکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ دو مسلمان زندیق (مرتد) ہو گئے ہیں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کو لکھا کہ اگر توبہ کریں تو ٹھیک، نہیں تو اُن کی گردنیں مار دو! (مصنف عبدالرزاق ح: ۱۸۷۱۲،)

حضرت ابوعثمان النہدی رحمہ اللہ سے بسند صحیح روایت ہے کہ ایک آدمی نے مسلمان ہونے کے بعد کفر اختیار کر لیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مہینہ تک اُس سے توبہ کرنے کا کہتے رہے، لیکن اُس نے انکار کیا،

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس کو قتل کر دیا۔ (اعلاء السنن رقم: ۴۲۸۲، عبدالرزاق، المحلی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ نقل ہے کہ فرمایا یہودی اور عیسائی تم سے صرف اس صورت میں ہی سکونت حاصل کر سکتے ہیں کہ وہ اسلام لائیں۔ **فمن اسلم منهم ثم ارتد فلاتضربوا الاعنقه. (مصنف ابن ابی شیبه ح: ۲۹۰۰۹)** پھر جو مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جائے تو نہ مارو مگر اُس کی گردن کو۔

حضرت عبداللہ بن عتبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عراق کے لوگوں میں کچھ لوگوں کو پکڑا جو اسلام سے پھر گئے تھے (مسلمان تھے، پھر مسیلمہ کذاب کو اللہ کا رسول مان لیا تھا) پھر اُن کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا (بعض روایات میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا یعنی حضرت عثمان کا دور تھا، المحلی: ۱۲/۱۱۱)، تو حضرت عمر (یا عثمان) رضی اللہ عنہ نے اُن کو لکھا: **ان اعرض عليهم دين الحق وشهادة ان لااله الاالله، فان قبلوهافخل عنهم، وان لم يقبلوهافاقتلهم.** اُن کے سامنے دینِ حق اور کلمہ توحید کی گواہی پیش کرو (کہ اُس کو مانیں) تو اگر قبول کر لیں تو اُن کو راستہ چھوڑ دو، اور اگر قبول نہ کریں تو اُن کو قتل کر دو۔

چنانچہ بعض نے تو دینِ حق کو قبول کر لیا، جن کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چھوڑ دیا، اور بعض نے قبول نہیں کیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسوں کو قتل کر دیا۔

(مصنف عبدالرزاق بسند صحیح رقم: ۱۸۷۰۷)

اُن میں سے عبداللہ بن النواحہ کا نام خصوصاً آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا تُو تو قرآن پڑھ رہا تھا؟ اُس نے کہا اُس کے ذریعے تم سے تقیہ کر رہا تھا (بچاؤ کر رہا تھا) تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا توبہ کر لے، اُس نے توبہ کرنے سے انکار کیا، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرظہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، وہ اُس کو بازار کی طرف لے گئے اور وہاں اُس کا سر اڑا دیا۔

(السنن الكبرى للبيهقى ح:۱۶۸۸۶)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کئی لوگ مرتد ہو گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اُن کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ اُن کو اسلام کی طرف دعوت دو، جو قبول کرلے اُس سے قبول کرلو، اور جو اسلام سے پھر جانے والوں میں سے اسلام کو قبول نہ کرے اُس کو قتل کر دو۔ (السنن الکبری للبیہقی: ۳۵۸/۸، رقم: ۱۶۸۸۳)

حضرت سلیمان بن موسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **كان عثمان بن عفان رضى الله عنه يدعوالمرتدثلاث مرات، ثم يقتله. (السنن الكبرى للبيهقى، ح:۱۶۸۸۴)** حضرت عثمان بن

عفان رضی اللہ عنہ مرتد شخص کو تین بار دعوت دیتے تھے پھر قبول نہ کرنے پر قتل کر دیتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس کو تین بار اسلام کی دعوت دی اُس نے انکار کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس کو قتل کر دیا۔
(کنز العمال، ح:۱۴۷۲، اعلاء السنن، رقم:۴۲۸۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ایک آدمی مسلمان ہوا، پھر کفر اختیار کیا، پھر مسلمان ہوا، پھر کافر ہو گیا، اور یہ کئی دفعہ ہوا، کیا اُس سے اسلام لانا قبول کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا جب تک اللہ تعالیٰ اُن سے قبول کرتا ہے تب تک قبول کرو، اُس کے سامنے اسلام پیش کرو، اگر قبول کرے تو ٹھیک، ورنہ اُس کی گردن مار دو۔ **(المطالب العالیة بحواله مسندمسدد، رقم: ۱۸۴۳)**

حضرت محمد بن عبدالرحمٰن اپنے والد عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تُستر کی فتح کا حال معلوم کیا، اور کوئی خاص خبر پوچھی، تو مجاہدین نے بتایا کہ ایک مسلمان مشرکین سے جا ملا تھا پھر ہم نے اُس کو پکڑا، فرمایا پھر تم نے اُس کے ساتھ کیا کیا؟ اُنہوں نے بتایا کہ ہم نے قتل کر دیا، فرمایا ایسا کیوں نہ کیا کہ ایک کمرے میں کر کے اُس پر دروازہ بند کر دیتے، اور روزانہ اُس کو روٹی کھلاتے اور تین دن تک اُس کو توبہ کا کہتے، پھر اگر توبہ کرتا تو ٹھیک ورنہ پھر اُس کو قتل کرتے؟

(الخراج للامام ابی یوسف:۱۹۷، بسندصحیح)

اِن سب روایات سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک بھی مرتد کی سزا موت تھی، اور وہ بھی ہر قسم کے مرتد کی نہ کہ خاص عرب مشرکین میں سے ہونے والے مرتد کی، جیسا کہ غامدی صاحب کا خیالِ باطل ہے، تو فقہاء کی غلطی کیوں ہے؟

ثابت بن ثوبان سے نقل ہے کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عامل تھا، میں نے اُن کو لکھا کہ ایک آدمی یہودی تھا پھر اسلام لایا، اب پھر یہودی ہو گیا اور اسلام سے پھر گیا، تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے میری طرف لکھا کہ: **ان ادعه الی الاسلام فان اسلم فخل سبیله، وان ابی فادع بالخشبة فاضجعه علیهاثم ادعه فان ابی فاوثقه وضع الحربة علی قلبه ثم ادعه، فان رجع فخل سبیله وان ابی فاقتله،** اُس کو اسلام کی دعوت دو، اگر مسلمان ہو جائے تو اُس کا راستہ چھوڑ دو، اور اگر انکار کرے تو لکڑی لے کر اُس پر لٹا کر اسلام کی دعوت دو، اگر نہ مانے تو اُس کو باندھو اور اُس کے دل پر نیزہ رکھو، پھر دعوت دو، اگر واپس اسلام کی طرف آ جائے تو اس کا راستہ چھوڑ دو، اور اگر انکار کرے تو قتل کر دو۔

چنانچہ اُنہوں نے ایسا کیا جب اُس کے دل پر نیزہ رکھا اور اسلام کی دعوت دی، تو مسلمان ہوگیا، تو اُنہوں نے اُس کا راستہ چھوڑ دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ح: ۳۲۷۶۰، الخراج لابی یوسف، ص: ۲۹۹ر واللفظ لابی یوسف)

معلوم ہوا کہ سب خلفاءِ اسلام کے ادوار میں مرتد جس قسم کا بھی ہو اُس کی سزا قتل رہی ہے۔

بہر حال جب صحابہ کا فہمِ قرآن وحدیث یہ ہے، تو فقہاء کرام رحمہم اللہ کی غلطی نہیں، اگر ہے تو صحابہ کرام خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی غلطی ہے، اب غامدی صاحب روافض اور خوارج کے ہاں پناہ لیں، تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غلطیاں خوب نکال سکیں۔

بہت سے ائمہ نے ذکر کیا ہے کہ اِس پر سب اہل اسلام کا اجماع ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا، خصوصاً ان حضرات نے تصریح کی ہے امام ابن المنذر، ابن عبدالبر، ابن ہبیرہ، کاسانی، ابن قدامۃ، بہاء الدین المقدسی، نووی، شمس الدین ابن قدامہ، ابن مفلح المقدسی، بہوتی، صنعانی، رحیبانی، شوکانی، ابن عابدین وغیرہم رحمہم اللہ۔ (موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی: ۵۰۴/۱۰)

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ غامدی صاحب کو خود کو اپنے اِس قانون اتمامِ حجت اور اِس تحریر پر پورا اطمینان نہیں ہے، چنانچہ اُن کے الفاظ ہیں:

''ہماری اس بحث سے اللہ تعالی کا یہ قانون اگر پوری طرح واضح ہوجاتا ہے، تو اس کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ ان مشرکوں میں سے کوئی شخص اگر ایمان لانے کے بعد پھر کفر اختیار کرتا تو اُسے بھی لامحالہ اسی سزا کا مستحق ہونا چاہیے تھا۔''

دیکھیے لفظ ''اگر'' بولتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ قانون پوری طرح واضح ہوجاتا ہے تو...'' توجب اُنہیں خود کو پورا اطمینان نہیں ہے تو فقہاء کی غلطی کیوں مانتے ہیں؟ کہ

''ہمارے فقہاء کی غلطی یہ ہے کہ اُنہوں نے **النّاس** کی طرح اِسے قرآن میں اس کی اصل سے متعلق کرنے اور قرآن وسنت کے باہمی ربط سے اس حدیث کا مدعا سمجھنے کے بجائے اِسے عام ٹھہرا کر ہر مرتد کی سزا موت قرار دے دی، اور اس طرح اسلام کے حدود وتعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اضافہ کردیا جس کا وجود ہی اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے۔'' (برہان: ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳)

یہ بھی غامدی صاحب کے قانون اتمامِ حجت کی طرح غامدی صاحب کی غلطی ہے کہ سمجھتے ہیں کہ ''**اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ** '' میں **النّاس** بھی عرب مشرکین کے ساتھ خاص ہے، حقیقت یہ ہے کہ **النّاس** پوری دنیا کے انسانوں کے لئے عام ہے۔

امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین عراقی (م ۸۰۶ھ) رحمہ اللہ اِس حدیث کی وضاحت میں

فرماتے ہیں: **والنبی ﷺ لم یخص بذالک العرب ومن کان مثلھم بل ذکرہ شرعاًعاماًفی حق کل احد (طرح التثریب فی شرح التقریب: ۱۸۱/۷)**

نبی کریم ﷺ نے اس حکم میں عرب اور اُن جیسوں کو مخصوص نہیں کیا ہے بلکہ ہر قسم کا فر کے حق میں عام حکم کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی رحمہ اللہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

والالف واللام فی النّاس للجنس......الظاھران الحدیث المذکورمتقدّم علی مشروعیة اخذالجزیة وسقوط القتال بھافحینئذتکون اللام للجنس کما ذکرنا.(عمدة القاری:۱۸۱/۱) والذی یذاق من لفظ النّاس العموم والاستغراق (عمدة القاری:۲۴۵/۸)

"**النّاس**" میں الف لام جنس کا ہے۔۔۔ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث پہلے کی ہے،اس کے بعد جزیہ لینے اور اُس کے سبب قتال نہ کرنے کا حکمِ شرعی آ گیا،تو بہر حال الف لام جنس کا ہے (سب کافروں سے متعلق یہ حکم ہوا ہے)۔۔۔لفظ **النّاس** سے متعلق ذوق بتاتا ہے کہ عام ہے،سب قسم کے کافروں کو شامل ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں: **امرتُ ان اقاتل الناس ای الکفار جمیعاً (شرح مسندابی حنیفة:۱۶۵)** یعنی مجھے سب کافروں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

علامہ امیر محمد بن اسماعیل صنعانی (م۱۱۸۲ھ) فرماتے ہیں:

ان اقاتل الناس عام لکل ولدآدم (التنویرشرح الجامع الصغیر: ۲۴۴/۳)

(مجھے حکم ملا) کہ میں لوگوں سے جہاد کروں مراد کُل اولادِ آدم ہے۔

النّاس کے عام ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابتداءِ دورِ خلافت میں مانعینِ زکوۃ سے جہاد کرنا چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی حدیث اُن کے سامنے رکھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر پکے رہے حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اُن کے موافق ہو گئے اور اُنہیں مانعینِ زکوۃ کے ساتھ جہاد سے متعلق شرح صدر ہو گیا،جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تسلیم کر لیا کہ **النّاس** میں مانعینِ زکوۃ اور مرتدین بھی داخل ہیں، **النّاس** سے خاص لوگ مراد نہیں ہیں۔

اگر بعض نے **النّاس** سے خاص مشرکین مراد لئے ہیں تو وہ اُن اہل کتاب کو خارج کرنے کے لئے جنہیں جزیہ دینے کی صورت میں مستثنٰی کیا گیا تھا،جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اہل کتاب جزیہ ادا نہ کریں تو وہ بھی **النّاس** میں داخل ہیں اور اُن سے بھی قتال کیا جائے گا،تو اُن کے مستثنٰی ہونے کا سبب اُن کی ذات نہیں ہے،اُن کا استثناء ایک شرط سے مشروط ہے،جب تک وہ شرط پائی جائے وہ **النّاس** سے خارج ہوں

گے،ورنہ نہیں۔کیونکہ **اذافات الشرط فات المشروط.**

ایک آیت سے مغالطہ:

اِسی ضمن میں غامدی صاحب لکھتے ہیں:

’’موت کی سزا قرآن مجید کی رو سے قتلِ نفس اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں بھی نہیں دی جاسکتی،فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کو شریعت دی گئی تو یہ بات ان پر بھی اسی وقت لکھ دی گئی تھی: **انـه مـن قتل نـفسـاًبـغيـر نفس اوفسادفی الارض فکانّماقتل الناس جمیعاً(المائدة ۵ : ۳۲)** جس نے کسی کو قتل کیا اس کے بغیر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، یا زمین میں کوئی فساد برپا کیا ہو،تو اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا۔

یہ قرآن کا صریح ارشاد ہے لہٰذا ان دو جرائم کے سوا فرد ہو یا حکومت یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو،اور اسے قتل کر ڈالے۔‘‘(برہان:۱۴۳)

جواب:

یہ تو درست ہے کہ اِس آیت میں کسی شخص کے قتل اور موت کی سزا کی صرف دو صورتیں بیان ہوئی ہیں،ایک یہ کہ آدمی کسی محفوظ الدم انسان کا قاتلِ عمد بن گیا ہو،دوسرے یہ کہ زمین میں فساد کا مرتکب ہو،لیکن اِس دوسری صورت فساد فی الارض کی بہت سی صورتیں ہیں۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ(م۷۹۵ھ)فرماتے ہیں: **ويـدخـل فـی الـفسادفی الارض الـحـراب والـردة والـزنـی فـان ذالـک كـلـه فسادفی الارض وكذالک تكررشرب الخمروالاصرارعليه. (تفسیرابن رجب: ۴۲۵/۱)**

فساد فی الارض میں ڈاکہ اور ارتداد اور زنا بھی داخل ہے،کیوں کہ یہ سب فساد فی الارض ہے،ایسے ہی (حنابلہ کے نزدیک) شراب پینے میں تسلسل اور اُس پر اصرار بھی فساد فی الارض میں سے ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ(م۶۰۶ھ)اِسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

القتل يحل لاسباب كثيرة منهاالقصاص وهوالمرادبقوله من قتل نفسابغيرنفس اوفسـادفـی الارض،ومـنـها الكفر مع الحراب ،ومنهاالكفربعدالايمان ومنهاقطع الطريق وهـوالـمـرادبـقـولـه تعالى بعدهٰذه الاية انماجزاء الذين يحاربون الله ورسوله (المائدة: ۳۳)فجمع تعالى كل الوجوه فی قوله اوفسادفی الارض (تفسيرالرازی:۱۱/۳۴۴)

قتل بہت سے اسباب کی وجہ سے حلال ہوجاتا ہے،اُن میں سے ایک قصاص ہے جو **مَـنْ قَتَـلَ نَفْسًابِغَيْرِنَفْسٍ** سے مراد ہے،اور ایک حربی کافر ہونا ہے،اور ایک ایمان لانے کے بعد کفر کرنا ہے،اور ایک

ڈاکہ مارنا ہے،اور وہی **اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** سے مراد ہے،تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان **"اَوْفَسَادٍفِی الْاَرْضِ "** میں اِن سب صورتوں کو جمع فرمالیا ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اِسی آیت کی تفسیر میں فرمایا: **وانا لانعلم یحل دم رجل مسلم من اھل ھٰذہ القبلۃ الا باحدی ثلاث رجل کفر بعد اسلامہ فعلیہ القتل ،اوزنی بعد احصانہ فعلیہ الرجم ،اوقتل معتمداًفعلیہ القود(ابن جریر: ۲۳۹/۱۰،رقم:۱۱۷۹۸)**

ہمیں معلوم نہیں ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی مسلمان کا قتل تین میں سے کسی ایک بات کے بغیر حلال ہو، یہ کہ آدمی اسلام لانے کے بعد کفر کر لے تو اُس کی سزا قتل ہے، یا شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کر لے تو اُس کی سزا رجم ہے، یا عمداً قتل کر دے تو اُس پر قصاص ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: **فیہ مشروعیۃ قتل المفسدین فی الارض فیدخل فی ذالک قاطع الطریق والساحر والمکاس ومن عم فسادہ وظلمہ (الاکلیل: ۱۱۰)** اس آیت میں مفسدین فی الارض کے قتل کا شرعی حکم ہے، اِس میں ڈاکو، جادوگر، ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والا اور وہ شخص بھی داخل ہے جس کا فساد اور ظلم عام ہو۔

تو فساد فی الارض عام ہے اس میں زنا بعد احصان، اور قتل عمد کے ساتھ کفر والحاد اور ارتداد بھی داخل ہے، چنانچہ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں کفار ومنافقین کو بھی مفسدین فی الارض فرمایا گیا ہے، منافقین کے بارے میں ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ. (البقرۃ:۱۲) خبردار! بیشک وہ منافقین ہی فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا. (المائدۃ:۶۴)

جب بھی یہ منافقین جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس کو بجھا دیتا ہے، اور یہ زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں۔

اس لیے اُن سے متعلق یہ دھمکی آمیز فرمان بھی آیا:

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ. (الاحزاب :۶۰) اگر منافق لوگ اور جن کے دلوں میں بیماری ہے، اور جو مدینہ طیبہ میں افواہیں پھیلانے والے ہیں اگر باز نہ آئے تو ہم آپ کو اُن پر مسلط کریں گے (کہ آپ جہاد کریں)

اور کھلے کافروں سے متعلق ہے:

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ (البقرۃ :۲۷) جو اللہ تعالی سے عہد مضبوط کرنے کے بعد عہد کو توڑتے ہیں ،اور جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم کیا اُس کو کاٹتے ہیں،اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔

فرعون کو (جو موسی علیہ السلام کو فسادی کہتا تھا) اللہ تعالی نے فرمایا: **وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس:۹۱)** ، **اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (القصص: ۴)**

تو فساد کرنے والوں میں سے تھا،فرعون فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ. (النحل: ۸۸)

جنہوں نے کفر اختیار کیا،اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے (اسلام سے) روکا ہم اُن کے عذاب پر عذاب بڑھائیں گے اس وجہ سے کہ وہ فساد پیدا کرتے تھے۔

یہ اور اس قسم کی آیات صاف دلیل ہیں کہ خود کفر فساد فی الارض ہے،اور کفار لوگ فسادی ہیں،کہ کفر اور اللہ تعالی کی نافرمانیوں کے ذریعے اللہ کی زمین کو گندا کرتے ہیں،اِن میں سے بعض کو جزیہ کی صورت میں زندہ رہنے کا حق محض اس لئے دیا گیا کہ جزیہ سے اِن کا یہ فساد متعدی نہیں رہے گا،حکومتِ اسلامیہ کے تحت دبے رہیں گے،لیکن جب وہ جزیہ نہ دیں،(بلکہ مسلمانوں سے لیں،اور) پھر مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کے حربے استعمال کریں،مسلمانوں میں لڑائیاں اور پھوٹ ڈالنے میں کوشاں ہوں (مسلمانوں میں تفرقہ،مرزائیت،سبائیت،اہل ہوی،متفرق فرقے اور جدید مسلمان نما ریسرچ کرنے والے یہودیوں کے پیدا کردہ ہیں،اِس سلسلے میں اُن کے مستقل ادارے کام کررہے ہیں) اگر غیر مسلم مسلمان ہونا چاہیں تو اُنہیں اسلام قبول نہ کرنے دیں تو پھر یہ بھی فسادی ہیں،اور مرتد تو عام کافروں سے زیادہ مُضر اور فسادی ہے،خود پھسلا ہے تو دوسروں کو بھی پھسلائے گا،اور دوسروں کے پھسلنے کا ذریعہ ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے: **وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْا آخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ،** اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ مومنین پر اترنے والے دین پر شروع دن ایمان لے آیا کرو،اور آخر دن پھر انکار کردیا کرو امید ہے کہ اس طرح سے مسلمان اسلام سے پھریں گے۔

دیکھیے اِن یہودیوں کی چالوں کو کہ یہ شروع دن سے مسلمانوں میں ارتداد کی تحریک کے بانی ہوئے ہیں،ارتداد کی سزا قتل نہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ یہودی چالیں کامیاب ہونے دیں،جو مرتد ہوتا ہے خوشی سے ہو،اُسے کچھ کہو نہیں۔ (جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی محمد طارق محمود [مدرس و معین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور]

عقلی فنون پڑھنے کے فوائد

دینی تعلیم کے نصاب میں منطق، فلسفہ، اصول مناظرہ وغیرہ عقلی فنون اہم مقام رکھتے ہیں۔ انھیں نصاب میں کیوں رکھا گیا ہے؟ انھیں نہ پڑھنے سے کیا نقصان ہوتا ہے؟ انھیں کس حیثیت سے اور کس حد تک پڑھنا چاہیے؟ زیرِ نظر مضمون میں یہ سب اُمور زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔

(ا)- عقلی فنون ذریعہ ہیں، بذاتِ خود مقصد نہیں:

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰- ۱۳۶۲ھ) رحمہ اللہ سے سؤال کیا گیا: **تعلم المنطق حرام أو مباح أو فرض أو واجب أم حسن؟ و اذا کان مباحا بقدر الاصطلاح فماقدره؟ وهل قراء ة سلم العلوم وشروحه علی قدر الاصطلاح جائز أم لا؟**

(منطق سیکھنا حرام ہے یا مباح یا فرض یا واجب یا حسن؟ اور جب مباح ہے تو اس کی مقدار کیا ہے؟ کیا سلم اور اس کی شروح علی قدر الاصطلاح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟)

فأجاب: العلم المنقول کالأغذیة مقصود، والمعقول کالأدویة ضروری لمن یشتغل بالکفایة من المنقول ولم یسلم ذهنه عن الخطأ فی الاستدلال بدونه. ولما کان الضروری یتقدر بقدر الضرورة، وقدره مختلف باختلاف الأذهان، فبأی مقدار ترفع الضرورة کان الضروری هو ذاک المقدار. ومن لاضرورة له ولاضرر کان له مباحا. ومن تضرر به کان له مذموما. وبقدر التضرر یکون الذم من الکراهة والحرمة

(علم منقول غذا کی طرح مقصود ہے، اور علم معقول اس شخص کے لیے دوا کی طرح ضروری ہے جو فرض کفایہ علم دین میں حاصل کرنے میں مشغول ہو اور اس کا ذہن علم معقولی کے بغیر دلیل بنانے میں غلطی سے محفوظ نہ رہے۔ اور جب ضروری بقدرِ ضرورت لیا جاتا ہے اور اس کی مقدار مختلف ذہنوں کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے، تو جس مقدار سے ضرورت پوری ہو جائے اتنی مقدار کافی ہوگی۔ اور جسے کوئی ضرورت نہ ہو اور نہ کوئی نقصان ہو اس کے لیے مباح ہے۔ اور جسے اس سے نقصان ہو اس کے لیے برا ہے۔ اور جتنا نقصان ہو اتنی ہی برائی ہوگی حرمت اور کراہت میں سے۔) (امداد الفتاوی: ۴/۷۷، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط: ۱۴۳۱ھ)

یہ سؤال اگرچہ منطق کے بارے میں تھا لیکن باقی معقولات کا حکم بھی جواب سے بخوبی سمجھا جاسکتا

ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی (متوفی ۱۳۰۲ھ) قدس سرہ کا ارشاد ہے: ہم تو جیسا بخاری کے مطالعہ میں اجر سمجھتے ہیں میر زاہد اور امور عامہ میں بھی ویسا ہی اجر سمجھتے ہیں، کیونکہ اس کا شغل بھی اللہ کے واسطے ہے اور اس کا بھی۔ یہ بات بڑی قوت سے فرمائی اور واقعی موٹی بات ہے۔ دیکھیے باغ کی رونق کے لیے جیسا کہ پھلوں کے درخت لگانا مقبول خدمت ہے ویسے ہی یہ بھی مقبول خدمت ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے کانٹے جمع کر کے باغ کے چاروں طرف باڑ لگا دے تا کہ جانور آ کر اس کو ویران نہ کر دیں۔ بس فلسفہ ومعقولات کی یہی مثال ہے کہ وہ کانٹوں کی باڑ ہے۔ اور یہ خدمت بھی اس اصل خدمت کے ساتھ ملحق ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱۰/۷۷، ۷۸، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

پس واضح ہوا کہ عقلی فنون کو اسی درجے میں رکھنا چاہیے جس درجے میں صرف، نحو، بلاغت وغیرہ ادبی فنون کو رکھا جاتا ہے۔ جیسے وہ ذریعہ ہیں ایسے ہی یہ بھی ذریعہ ہیں۔ مقصد دونوں کا دینی علوم تفسیر، حدیث اور فقہ کی خدمت ہے۔ اور سلف صالحین کو جیسے ادب وبلاغت پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی ایسے ہی عقلی فنون حاصل کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ان کی طبیعت کی سلامتی اور سلیقہ ان چیزوں کے قائم مقام تھا۔

امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) رحمہ اللہ نے اصول فقہ پر اپنی کتاب کے مقدمے میں مبادی منطقیہ ذکر فرمائے ہیں۔ ان کے شروع میں فرماتے ہیں: **وليست هذه المقدمة من جملة علم الأصول ولا من مقدماته الخاصة به، بل هي مقدمة العلوم كلها ، ومن لايحيط بها فلاثقة له بعلومه أصلا.** (المستصفى: ص ۱۰، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط: ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء) اور یہ مقدمہ (صرف) علم اصول (فقہ) کا حصہ نہیں، اور نہ ہی اس کے خاص مقدمات کا حصہ ہے، بلکہ یہ سب علوم کا مقدمہ ہے، اور جو اس پر عبور نہ رکھتا ہو اس کے علوم پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) رحمہ اللہ کہتے ہیں: **وكذلك أصول الدين وهو علم الكلام انما حاصله تقرير لأدلة القرآن والسنة أو ماينشأعنها في التوحيد ومايتعلق به كما كان الفقه تقريرا لأدلتها في الفروع العملية.** (الاعتصام: ۴۴/۱، مکتبۃ التوحید، سنہ ندارد) اور اسی طرح اصول الدین اور وہ علم کلام ہے۔ اس کا حاصل صرف توحید اور اس کے متعلقات میں قرآن وسنت کے دلائل پر پختگی ہے۔ جیسے فقہ قرآن وسنت کے فروع عملیہ سے متعلق دلائل کی پوری تفصیل ہے۔

(۲) - معقولات کا اثر دوسرے علوم پر:

جب کبھی حضرت مفتی محمد شفیع (۱۳۹۶ھ) رحمہ اللہ کے سامنے یہ تجویز پیش ہوتی کہ معقولات کو

درس نظامی سے نکال دیا جائے تو حضرت اس کی سخت مخالفت فرماتے تھے۔اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور عقائد پر لکھی ہوئی متقدمین کی کتابیں معقولات کی اصطلاحوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر قدیم منطق وفلسفہ کو بالکل دیس نکالا دے دیا جائے تو اسلاف کی ان کتابوں سے خاطر خواہ استفادے کی راہ مسدود ہو جاتی ہے جو ہمارا گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔اس کے علاوہ منطق وفلسفے کی تعلیم سے ذہن کو جلا ملتی ہے اور ذہن مسائل کو مرتب طریقے سے سوچنے کا عادی ہو جاتا ہے۔اور اس طرح یہ علوم تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے مسائل سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں۔(البلاغ مفتی اعظم نمبر:۱/۳۵۸، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط:۱۴۲۶ھ) نیز دیکھیے: آداب البحث والمناظرۃ، محمد امین شنقیطی سلفی (متوفی ۱۳۹۳ھ) اس میں مؤلف نے دو فنون جمع کیے ہیں۔منطق اور اصول مناظرہ۔

اصول مناظرہ بھی ایک ضروری فن ہے۔مباحثہ اصول وضوابط کا پابند ہو تو نتیجہ خیز ہوتا ہے ورنہ نرا شور شرابا۔اس کی اصطلاحات دوسرے علوم وفنون میں بھی بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔یہ پہلے نصاب میں داخل تھا۔اب کچھ عرصے سے معلوم نہیں کیوں نکال دیا گیا؟۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تو دینی تعلیم کے مختصر نصاب **ضمان التکمیل فی زمان التعجیل** میں بھی اصول مناظرہ کا ایک متن شامل رکھا ہے۔علم اصول مناظرہ دراصل اصول فقہ کی بحث دفع القیاس سے کچھ ترمیم کے ساتھ مأخوذ ہے۔(دیکھیے: نور الانوار: ص۲۴۹، ایچ ایم سعید، کراچی، سنہ ندارد) طلبہ کو کم از کم شریفیہ کا متن تو ضرور پڑھانا چاہیے۔

(۳) - جسے معقولات سے مناسبت نہ ہو اسے یہ نہ پڑھائے جائیں:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے پاس اکثر طلبہ کے خطوط آتے ہیں کہ منطق سمجھ نہیں آتی کوئی دعا لکھ دیجیے۔میں لکھ دیتا ہوں کہ منطق پڑھنا چھوڑ دو یہی دعا ہے۔ **اذا لم تستطع شیئا فدعه.** (جب تمھیں کسی کام کی طاقت نہ ہو تو اسے چھوڑ دو) آج کل بعض طبائع کو معقول سے مناسبت نہیں۔ سوا ایسوں کو معقول نہ پڑھائیں اور صرف دینیات کے بعد تکمیل کی سند دیدیں۔کانپور میں بعض طلبہ محض دینیات پڑھتے تھے، معقولات نہیں پڑھتے تھے تو ان کو پہلے سند نہیں ملتی تھی۔میں نے کہا افسوس عالم دینیات کو سند نہ ملے اور معقولات نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ناقص سمجھا جائے۔اسی وجہ سے میں نے دو قسم کی سندیں تیار کرائی تھیں۔اور ایک میں لکھ دیا تھا **فارغ عن الدرسیات**، دوسری میں **فارغ عن الدینیات**۔اور جس کو منطق سے مناسبت نہ ہو اس کو بعض ایسی کتب دینیہ جیسے توضیح تلویح، مسلم الثبوت جن میں منطقی اصطلاحیں استعمال کی ہیں ان کا پڑھنا بھی ضروری نہیں۔(ملفوظات حکیم الامت: ۲۹/۳۹۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط:۱۴۲۵ھ) ان میں سے ایک سند کا عنوان: **سند البلاغ الی کمال الفراغ من**

الدینیات تھا۔ اور دوسری کا عنوان: **سند البلاغ الی کمال الفراغ من الدرسیات** تھا۔
(دیکھیے: اشرف السوانح: ۹۰/۱ - ۹۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۷ھ)

(۴) - معقولات کی مذمت کے اقوال کے معانی :

(علم محترم کمنطق وطب خلیا عن محذور کالموجودین الیوم ،لأن تعلمهما فرض كفاية لعموم نفعهما) (قوله لأن تعلمهما الخ) قال فى الامداد : بل هو أى المنطق أعلاها أى العلوم الآلية .وافتاء النووى كابن الصلاح بجواز الاستنجاء به يحمل على ما كان فى زمنهما من خلط كثير من كتبه بالقوانين الفلسفية المنابذة للشرائع ، بخلاف الموجود اليوم فانه ليس فيه شيء من ذلك ولا مايؤدى اليه فكان محترما ،بل فرض كفاية ،بل فرض عين ا ن وقعت شبهة لايتخلص منها الا بمعرفتة. انتهى

بلکہ علم منطق علوم آلیہ میں سے سب سے بڑے درجے کا ہے۔ اور نووی اور ابن صلاح کا یہ فتوی کہ منطق (کے اوراق) سے استنجاء کرنا درست ہے، اس سے مراد وہ منطق ہے جو ان کے زمانے میں تھی، جس میں خلاف شرع بہت سے فلسفی قوانین ملے ہوئے تھے، برخلاف موجودہ منطق کے، کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں۔ تو یہ قابل احترام ہے، بلکہ فرض کفایہ ہے، بلکہ اگر کوئی ایسا شبہ پیش آیا جس سے منطق جانے بغیر نہ نکل سکے تو فرض عین ہے۔ (تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج وحواشی الشروانی والعبادی: ۱۷۸/۱، المکتبۃ التجاریۃ، مصر، ط: ۱۳۵۷ھ/۱۹۸۳ء)

علم کلام کی مذمت کے اقوال بھی سلف سے منقول ہیں۔ جیسے مثلاً امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **من طلب الدين بالكلام تزندق .** (جو دین کو علم کلام سے طلب کرے وہ زندیق ہے)۔ اسی طرح اور ائمہ سے بھی مذمت کے اقوال منقول ہیں۔ ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وفى كل ذلك دلالة على ان استحباب من استحب من ائمتنا ترك الخوض فى الكلام انما هو للمعنى الذى أشرنا اليه وأن الكلام المذموم انما هو كلام أهل البدع الذى يخالف الكتاب والسنة . فأما الكلا م الذى يوافق الكتاب والسنة ويبين بالعقل والعبرة فانه محمود مرغوب فيه عند الحاجة تكلم فيه الشافعى وغيره من ائمتنا رضى الله عنهم عند الحاجة كما سبق ذكرنا له.** (تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الأشعری: ص ۳۵۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ط: ۱۴۰۴ھ) ان سب واقعات میں اس کی دلیل ہے کہ ہمارے جن ائمہ نے (علم) کلام میں مشغول ہونے کو پسند نہیں کیا اس کی وجہ وہ تھی جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا، اور یہ کہ کلام مذموم صرف وہ ہے جو اہل بدعت کا ہے جو کتاب وسنت کے مخالف ہے۔ اور جو علم کلام

کتاب وسنت کے موافق ہو اور عقل سے وضاحت کرے وہ بوقت ضرورت پسندیدہ ہے۔اس میں ہمارے ائمہ شافعی وغیرہ نے حصہ لیا ہے۔امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) نے بھی امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) رحمہما اللہ کے مذمت کے قول کی یہی مراد بیان کی ہے۔(نیز دیکھیے: تبیین کذب المفتری: ص ۳۳۴ - ۳۵۲) اس سے واضح ہوا کہ علم کلام کی مذمت میں منقول سلف کے اقوال اپنے ظاہر اور اطلاق پر نہیں۔لہٰذا ان اقوال سے عموم مراد لے کر اہل سنت والجماعت کے متکلمین کی علی الاطلاق مذمت کرنا اور انھیں گمراہ قرار دینا خود گمراہی میں پڑنا ہے۔شرح عقائد نسفیہ کے خطبے میں تفتازانی (متوفی ۷۹۲ھ) رحمہ اللہ نے بھی ان اقوال کے کچھ معانی ذکر کیے ہیں۔دیکھیے: ص ۸، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ط: سنہ ندارد

علم کلام کی تدوین کی ضرورت اور تاریخی پس منظر کو اگر دیکھا جائے تو اس سے بھی ائمہ کے مذمت کے اقوال کی مراد سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں: (عباسی خلیفہ) معتصم (باللہ ۱۷۹ - ۲۲۷ھ) اور واثق (باللہ ۲۰۰ - ۲۳۲ھ) کے انتقال پر (جو مذہب اعتزال اور معتزلہ کے سرپرست تھے) معتزلہ کا زور ٹوٹ گیا۔واثق کا جانشین خلیفہ متوکل (علی اللہ ۲۰۵ - ۲۴۷ھ) مذہب اعتزال سے بیزار اور معتزلہ کا دشمن تھا۔اس نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر معتزلہ کی عظمت واقتدار کے نشانات مٹائے اور ان کو حکومت سے بالکل بے دخل کر دیا، لیکن علمی حلقوں میں ابھی معتزلہ کا اثر باقی تھا۔خلق قرآن کا عقیدہ تو اپنی طاقت کھو چکا تھا، لیکن ان کے دوسرے مباحث اور مسائل ابھی تازہ اور زندہ تھے۔معتزلہ نے اپنی ذہانت، علمی قابلیت اور اپنی بعض نمایاں شخصیتوں کی وجہ سے اپنا علمی وقار قائم کر لیا تھا۔اور قضا وافتا اور حکومت کے اندر بعض اونچے عہدوں پر فائز تھے۔تیسری صدی کے وسط میں ان کا خاصا دور دورہ ہو گیا۔عام طور پر یہ تسلیم کیا جانے لگا کہ معتزلہ دقیق النظر، وسیع الفکر اور محقق ہوتے ہیں۔اور ان کی آراء وتحقیقات عقل سے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔بہت سے نوجوان طالب علم اور شہرت پسند اعتزال کو فیشن کے طور پر اختیار کرتے۔

امام احمد (بن حنبل ۱۶۴ - ۲۴۱ھ) کے بعد حنابلہ میں کوئی طاقتور علمی اور دینی شخصیت نہیں پیدا ہوئی۔محدثین اور ان کے ہم مسلک علماء نے علوم عقلیہ اور نئے طریقہ بحث ونظر کی طرف (جس کا معتزلہ اور فلاسفہ کے اثر سے رواج پڑ چلا تھا)، توجہ نہیں کی۔نتیجہ یہ تھا کہ مباحثہ کی مجلسوں اور درس کے حلقوں میں محدثین کی یہ علمی کمزوری اور فلسفہ کے مبادی سے بے خبری محسوس کی جاتی تھی۔اس کے مقابلہ میں علمی مباحثوں میں معتزلہ کا پلڑا بھاری رہتا۔اور جو لوگ دین کا گہرا علم نہیں رکھتے تھے اور اس حقیقت سے واقف نہیں تھے کہ سطحی ذہانت معتزلہ کی تائید کرتی ہے، اور پختہ اور گہری ذہانت بالآخر محدثین ہی کے مسلک اور محکمات شریعت کو قبول کرتی ہے، وہ معتزلہ کی حسن تقریر، حاضر جوابی اور علمی موشگافی سے متاثر ہوتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ظاہر شریعت اور مسلک سلف کی علمی بے توقیری اور اسکی طرف سے بے اعتمادی پیدا ہو رہی تھی۔ خود محدثین اور ان کے تلامذہ کے گروہ کے بہت سے لوگ احساس کہتری کا شکار تھے، اور معتزلہ کی عقلیت اور تفلسف سے مرعوب ہو رہے تھے۔ یہ صورت حال دینی وقار اور سنت کے اقتدار کے لیے سخت خطرناک تھی۔ قرآن مجید کی تفسیر اور عقائد اسلام ان فلسفی نما مناظرین کے لیے بازیچہ اطفال بنے جا رہے تھے۔ مسلمانوں میں ایک خام عقلیت اور سطحی فلسفیت مقبول ہو رہی تھی۔ یہ محض ایک ذہنی ورزش تھی۔ اور اصطلاحات کی معرکہ آرائی۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اور اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے نہ تو محدثین وحنابلہ کی دینی غیرت اور جوش کافی تھا۔ نہ عابدوں وزاہدوں کا زہد وعبادت، اور نہ فقہاء کے فتاوی اور جزئیات ومسائل پر ان کا عبور واستحضار۔ (اور ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں ضروری تھا کہ معتزلہ سے ان کی زبان اور اصطلاح میں بات کر کے انھیں بند کیا جاتا۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ اس پس منظر کو ذہن میں رکھا جائے تو علم کلام کی علی الاطلاق مذمت کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔)

اس کے لیے ایک ایسی شخصیت درکار تھی جس کی دماغی صلاحیتیں معتزلہ سے کہیں بلند ہوں۔ جو عقلیت کے کوچے سے نہ صرف واقف بلکہ عرصہ تک اس کا رہ نوردرہ چکا ہو۔ جس کی بلند شخصیت اور مجتہدانہ دماغ کے سامنے اس زمانہ کی عقلیت اور فلسفہ کے علمبردار مبتدی طالب علم معلوم ہوتے ہوں۔ اور ایسے پست وحقیر نظر آتے ہوں جیسے کسی دیو قامت انسان کے سامنے پستہ قد انسان اور نوعمر بچے۔ اسلام کو فوری طور پر ایک ایسے امام اہل سنت کی ضرورت تھی۔ اور شیخ ابوالحسن اشعری (۲۶۰ - ۳۲۴ھ) کی ذات میں اس کو وہ شخصیت مل گئی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ۱/۱۰۳، ۱۰۴، مجلس نشریات اسلام، کراچی، سن ندار)

امام ابوالحسن اشعری نے معتزلہ اور محدثین کے درمیان ایک معتدل اور متوسط مسلک اختیار کیا۔ وہ نہ تو معتزلہ کی طرح عقل کی غیر محدود طاقت اور فرمانروائی کے قائل تھے، کہ وہ الہیات کے بارے میں اور مابعد الطبیعیات میں بھی بے تکلف عمل کر سکے، اور اس کے جزئیات وتفصیلات اور ذات وصفات باری تعالی کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر سکے اور اس کو معیار قرار دیا جا سکے۔ نہ وہ بعض پرجوش محدثین وغالی حنابلہ کی طرح دین کی نصرت اور عقائد اسلامیہ کی حفاظت کیلیے عقل کا انکار اور اسکی تحقیر ضروری سمجھتے تھے۔ اور ان کلامی واعتقادی مباحث میں' جو زمانہ کے اثرات سے شروع ہوگئے تھے احتیاط وسکوت واجب سمجھتے تھے۔ وہ معتزلہ اور فلسفہ زدہ علماء سے ان کی اصطلاحات اور علمی زبان میں گفتگو کرتے تھے، جس سے مذہب وعقائد اہل سنت کا وقار اور وزن بڑھتا تھا۔ (مصدر سابق: ۱/ ۱۰۸)

ان (امام ابوالحسن اشعری) کا اصلی کارنامہ اس مسلک سنت اور عقیدہ سلف کے ساتھ موافقت اور اس کی اجمالی تائید نہیں۔ یہ تو محدثین اور عام حنابلہ کر ہی رہے تھے۔ ان کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے

کتاب وسنت کے ان حقائق اور اہل سنت کے ان عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کیا۔اور معتزلہ اور دوسرے فرقوں سے ان کے ایک ایک مسئلہ اور ایک ایک عقیدہ میں انہی کی زبان اور اصطلاحات میں بحث کر کے عقائد اہل سنت کی صداقت اور ان کا منقول و معقول کے مطابق ہونا واضح کیا۔دین کی (اس) اہم خدمت کی تکمیل اور وقت کے اس عظیم الشان فریضہ کے ادا کرنے میں وہ معتزلہ اور منحرف فرقوں کے معتوب بنے اور ایسا ہونا بالکل قدرتی تھا،لیکن وہ ان متشدد محدثین اور جامد حنابلہ کے اعتراضات کا ہدف بھی بن گئے جن کے نزدیک ان مباحث میں حصہ لینا اور فلسفہ کی اصطلاحات کا استعمال کرنا اور نقلی مباحث ومسائل میں عقلی استدلال سے کام لینا ہی ایک زیغ وضلال کی بات تھی۔(مصدر سابق:۱/۱۱۰،۱۱۱) نیز دیکھیے :الملل والنحل للشہرستانی:۱/۳۱،مؤسسۃ الحلبی۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آج کل بعض لوگوں کو علم کلام جدید کی تدوین کا خبط ہو رہا ہے۔بس اس خیال سے اس کو جدید کہہ لو کہ تمھارے شبہات جدید ہیں،ورنہ علم کلام قدیم کے قواعد قیامت تک کے شبہات کا جواب دینے کے لیے کافی ہیں۔چنانچہ میرا ایک رسالہ ہے الانتباہات۔وہ تمام شبہات جدیدہ کے ازالہ کا کفیل ہے۔ذرا کوئی اس کے اصول کو توڑ تو دے۔ان شاء اللہ قیامت تک کوئی نہ توڑ سکے گا۔وہ رسالہ علم کلام قدیم ہی کے قواعد سے لے کر لکھا گیا ہے۔پس علم کلام جدید کا خیال محض خبط ہے۔متقدمین کے اصول سب شبہات کے دفع کے لیے کافی ہیں۔(خطبات حکیم الامت:۲۳/۱۱۹،۱۲۰،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۲۸ھ) حضرت کے اس رسالے کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔اس کا نام ہے آنسر ٹو ماڈرنزم۔

(۵) - فن دانش مندی:

معقولات کے ساتھ ایک اور چیز کا تعلق ہے۔وہ ہے فن دانش مندی۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) رحمہ اللہ نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے۔اس میں فرماتے ہیں: اگر تم یہ پوچھو کہ دانش مندی سے میں کیا مراد لیتا ہوں؟ تو دانش مندی سے میری مراد کتاب دانی ہے۔اور اس کے تین درجے ہیں۔اس رسالے میں حضرت نے فن دانش مندی میں امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تک اپنی سند کا بھی ذکر کیا ہے۔اور کل ۱۵/اصول ذکر کیے ہیں جن سے طالب علم کو کتاب صحیح طرح سمجھنے اور تحقیق کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔اور فرمایا ہے کہ علم کلام اور اصول (فقہ) بھی اس فن سے مخلوط ہیں۔اصل رسالہ فارسی میں ہے۔اس کا اردو ترجمہ ماہنامہ فکرونظر اسلام آباد میں شائع ہوا ہے۔اور آن لائن دستیاب ہے۔

(نیز دیکھیے :نظام تعلیم وتربیت:۱/۱۸۷،مولانا مناظر احسن گیلانی،مکتبہ رحمانیہ،لاہور،ط:اول)

(۶) - معقولات نہ پڑھنے کا نتیجہ:

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ اپنے سفرنامے میں فرماتے ہیں: اگلے دن مغرب کے بعد شیخ عبد القادر جیلانی کے مدرسے میں شیخ عبد الکریم المدرس کی زیارت نصیب ہوئی ۔انھوں نے عصری جامعات کے ڈگری زدہ طریقے کے بجائے قدیم طریقے پر ماہر اساتذہ وشیوخ سے علوم دینیہ کی تکمیل فرمائی ہے۔ ماجستیر اور دکتوراہ کے اس دور میں ایسے علماء کی قدر و قیمت پہچاننے والے بہت کم ہیں۔لیکن سچ تو یہ ہے کہ علم دین کی جو خوشبو اور شریعت وسنت کی جو مہک ان بوریہ نشینوں کے پاس محسوس ہوتی ہے وہ عموماً یونیورسٹیوں کی عالیشان عمارتوں اور ان کے پر تکلف ماحول میں نظر نہیں آتی۔اس لیے جہاں جانا ہوتا ہے ایسے علماء کی تلاش رہتی ہے۔

شیخ یہ سن کر بہت مسرور ہوئے کہ ناچیز کو انہی پرانے طرز کے دینی مدارس اور ان کے علماء سے خادمانہ نسبت ہے۔چنانچہ ابتدائی سلام کلام کے بعد ان کا پہلا سوال ہمارے مدارس کے نصاب ونظام سے متعلق تھا۔اور جب میں نے اپنی درسی کتب میں کافیہ،شرح جامی،شرح تہذیب،نور الانوار اور توضیح جیسی کتب کا نام لیا تو وہ تقریباً چیخ پڑے اور وصیت فرمائی کہ اس قسم کی ٹھوس استعداد پیدا کرنے والے نظام تعلیم کو آپ کبھی نہ چھوڑیے، کیوں کہ ہم اس نظام کو چھوڑنے کے نتائج بد اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

(جہان دیدہ: ص ۲۲، ۲۳ ملخصا بلفظہ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ط: ۱۴۳۱ھ)

ان کتب میں شرح تہذیب تو خاص فن منطق میں ہے۔نور الانوار اور توضیح اصول فقہ میں ہیں اور منطق اصول فقہ کے مبادی میں سے ہے۔اور کافیہ اور شرح جامی بھی معقولی اسلوب اور منہج میں ہیں۔

برہان تمانع میں کسی خراسانی کا ایک رسالہ ہے۔جس میں اس نے ملازمۃ عادیہ اور ملازمۃ عقلیہ میں فرق نہیں کیا اور اپنے سارے کلام کی بنیاد اسی پر رکھی ہے۔خود بھی غلطی میں پڑا اور دوسروں کو بھی غلطی میں ڈالا۔اور اس کا خیال یہ ہے کہ وہ سعد الدین (تفتازانی جیسے ماہرین فن) کو غلط قرار دینے میں حق بجانب ہے!! (کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: ۱۱۴۵/۲، مکتبۃ المثنی، بغداد، ط: ۱۹۴۱ء)

تاہم یہ بات واضح ہے کہ معقولات کو غور سے سمجھ کر پڑھنے سے ہی مطلوبہ نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔امتحان کے قریب کچھ نگل کر امتحان میں اگل آنا، اور پھر پہلے کی طرح ہو جانا، جیسا کہ اس وقت عموماً ہو رہا ہے، اس سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔اور اس رسمی کاروائی میں جہاں طلبہ کی کوتاہی کو دخل ہے وہاں امتحانی نظام کی بھی خرابی ہے، کہ امتحان میں جوابات کا زیادہ حصہ زبانی تحریر کرنا ہوتا ہے۔طلبہ کی یادداشت اور کتابت کا امتحان لیا جاتا ہے، صلاحیت اور استعداد کو نہیں جانچا جاتا۔اس بارے میں وفاق المدارس کی خدمت میں بھی گزارش کی ہے۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ جلد مثبت پیش رفت ہو۔آمین یارب اللعالمین۔ ☆☆

مولانا مفتی رب نواز حفظہ اللہ [مدیر اعلیٰ: مجلّہ الفتحیہ،احمد پور شرقیہ]

ترکِ رفع یدین کو قسمیں اُٹھا کر غیر ثابت کہنے والے غیر مقلد خطیبوں: یوسف پسروری اور سبطین شاہ کو منہ توڑ جواب

غیر مقلدین کا ترکِ رفع یدین کی حدیث کو ثابت مان کر ترک کی تائید کرنا اور اس پہ عمل پیرا ہونا

حدیثوں کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر اونچ نیچ، سجدوں میں اور بوقت رکوع رفع یدین کرنا ثابت ہے مگر بعد میں ان سب مقامات کے رفع یدین کو چھوڑ دیا تھا صرف شروع والا رفع یدین اختیار فرمایا۔ترک رفع یدین پر لکھی گئی کتب میں ایسی حدیثوں کو جمع کر دیا گیا ہے جن سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شروع میں رفع یدین کیا، پھرنہیں کیا۔دیکھئے درج ذیل کتب:

۱-نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح،تالیف حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی رحمہ اللہ۔

۲-جز ترک رفع یدین مؤلفہ حضرت مولانا عبد الغفار ذہبی رحمہ اللہ۔

۳-تسکین العینین فی ترک رفع الیدین تالیف:مولانا نیاز احمد اوکاڑوی حفظہ اللہ۔

ہم اپنے اس مختصر مضمون میں ترک رفع یدین کی حدیثوں کا استیعاب نہیں کر سکتے۔اس لیے صرف ایک حدیث درج کر کے اس کی تصحیح غیر مقلدین کی زبانی نقل کریں گے۔پھر مزید یہ کہ غیر مقلدین کی طرف سے ترک رفع یدین کی تائید اور اُن کا اس پر عمل پیرا ہونا خود اُن کی اپنی تحریروں سے ثابت کریں گے ان شاء اللہ۔اُمید ہے کہ غیر مقلدین کے یہ حوالہ جات یوسف پسروری اور سبطین شاہ وغیرہ غیر مقلد خطیبوں کی قسموں کو بے حیثیت اور فضول ظاہر کے لیے کافی ہیں۔یوسف پسروری اور سبطین شاہ میں اگر ہمت ہے تو ہمارے اس مضمون کا جواب لکھیں۔

حدیثِ نبوی:

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ ۔(سنن ترمذی:۱/۵۹،دوسرا نسخہ:۱/۳۵)

ترجمہ: کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔

حدیث ابن مسعود کے صحیح ہونے پر ابن حزم اور غیر مقلدین کے حوالے

اس حدیث کو بہت سے محدثین نے صحیح قرار دیا مگر ہم ''**والفضل ما شهدت به الاعداء**، فضیلت تو وہی ہے جس کی مخالف بھی گواہی دے'' کے پیش نظر غیر مقلدین کے حوالہ جات نقل کرتے ہیں۔ ان حوالہ جات سے پہلے علامہ ابن حزم ظاہری کا حوالہ بھی اس وجہ سے نقل کر دیتے ہیں کہ غیر مقلدین نے انہیں اپنا ''غیر مقلد'' لکھا ہوا ہے۔ **وبالله التوفيق** ۔

(۱)-علامہ ابن حزم ظاہری اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

''**اِنَّ هٰذَا الْخَبَرَ صَحِيْحٌ** ، بلاشبہ یہ حدیث صحیح ہے'' (**المحلی**:۴ر۸۸)

چوں کہ اُن کے نزدیک ترک رفع یدین کی حدیث صحیح ہے اس لیے ترک رفع یدین والی نماز کو انہوں نے ''نمازِ نبوی'' قرار دیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

''**اِنْ لَّمْ يَرْفَعْ فَقَدْ صَلَّيْنَا كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي**، اگر ہم رفع یدین نہ کریں تو یقیناً ہم نے ایسی نماز پڑھی جیسی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

(**المحلی**:۳ر۲۳۵)

ابن حزم کو عام لوگ ظاہری کہتے ہیں مگر غیر مقلدین انہیں اپنا ہم مذہب کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے انہیں ''غیر مقلد'' لکھا ہے۔ (مقالات:۲ر۲۴۵)

(۲)-محمد ناصر الدین البانی غیر مقلد نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا:

''**وَالْحَقُّ اَنَّهٗ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَّ لَمْ نَجِدْ لِمَنْ اَعَلَّهٗ حُجَّةً يَّصْلُحُ التَّعَلُّقُ بِهَا وَرُدَّ الْحَدِيْثُ مِنْ اَجَلِهَا**۔'' (تحقیق مشکوۃ المصابیح:۱ر۲۵۴)

ترجمہ: اور حق بات یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور جن لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے ہمیں ان کی کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے استدلال درست ہو اور اس کی وجہ سے حدیث کو رد کیا جا سکے۔

(۳)-علامہ احمد شاکر غیر مقلد اِس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

''**هُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ** ، یہ حدیث صحیح ہے اور اسے ترمذی نے حسن قرار دیا ہے۔ (حاشیہ محلی ابن حزم:۴ر۸۷)

علامہ احمد شاکر دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

’’هٰذَا الْحَدِيْثُ صَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ وَّغَيْرُهُ مِنَ الْحُفَّاظِ وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَمَا قَالُوْهُ فِيْ تَعْلِيْهِ لَيْسَ بِعِلَّةٍ۔‘‘(شرح ترمذی:۳/۳۵)

ترجمہ: اس حدیث کو ابن حزم وغیرہ حفاظ حدیث نے صحیح کہا اور واقعۃً یہ حدیث صحیح ہے اور لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف بنانے کے لیے جو کچھ کہا وہ ضعف کی دلیل نہیں ہے۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد کی زیر ادارت نکلنے والے رسالہ ’’الحدیث‘‘ میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ترک رفع یدین کی حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

’’امام ابن حزم رحمہ اللہ، علامہ البانی رحمہ اللہ، علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح یا تحسین کی ہے۔‘‘(مقالات الحدیث:۴۶۵)

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

’’شیخ احمد شاکر اور البانی وغیرھما کا صحیح قرار دینا.‘‘(توضیح الاحکام:۲/۸۱)

مذکورہ عبارتیں نقل کرنے کی غرض یہ بتانا ہے کہ علی زئی کو بھی معلوم تھا کہ ابن حزم، البانی اور احمد شاکر نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحیح کہا ہے۔

البانی اور احمد شاکر نے نہ صرف یہ کہ ترک رفع یدین کی حدیث ابن مسعود کو صحیح تسلیم کیا بلکہ اس سے بڑھ کر یوں بھی لکھ دیا کہ جن لوگوں نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کا دعویٰ کیا ہے اُن کے پاس ضعف کی ایک بھی دلیل نہیں۔ یادرہے کہ غیر مقلدین نے اپنی کتابوں میں اعتراف کیا ہوا ہے کہ جرح وہی معتبر ہوتی ہے جو مفسر اور مبین السبب ہو، لہٰذا جو لوگ اس حدیث کے ضعیف ہونے کا دعوی رکھتے ہیں اُن سے ہمارا مطالبہ ہے کہ اس حدیث کی سند پر جرح مفسر، مبین السبب پیش کریں۔

(۴)-محمد خلیل ہراس غیر مقلد اِس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

’’هُوَحَدِيْثٌ صَحِيْحٌ حَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ یہ حدیث صحیح ہے، ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔‘‘

(حاشیہ محلی ابن حزم:۲/۲۹۲)

(۶،۵)-شعیب ارناؤط غیر مقلد اور زہیر الشاویش غیر مقلد اِس حدیث کے متعلق کہتے ہیں:

’’حَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ غَيْرُوَاحِدٍ مِّنَ الْحُفَّاظِ وَمَا قَالُوْهُ فِيْ تَعْلِيْلِهٖ لَيْسَ بِعِلَّةٍ۔

امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور بے شمار حفاظ حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور جو بعض

لوگوں نے اس حدیث میں علتیں نکالی ہیں وہ غلط ہیں کیوں کہ اس میں کوئی بھی علت نہیں۔''

(شرح السنۃ:۲۴/۳،بحوالہ نور الصباح:۹۲/۱)

(۷)-ابوعبدالرحمٰن محمد عبداللہ پنجابی غیر مقلد کہتے ہیں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ سے رفع یدین چھوڑنے کی روایت صحیح ہے محصلہ۔(عقیدہ محمد یہ:۶۱۱/۲،بحوالہ نور الصباح:۹۴/۱)

(۸)-شیخ عبدالمحسن العباد غیر مقلد اِس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

'' **وَاِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيْثِ مُسْتَقِيْمٌ ... فَيَكُوْنَ الْحَدِيْثُ حَسَنًا** ''اوراس حدیث کی سند صحیح ہے، پس یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔(**شرح ابی داؤد للعباد**:۲۵۴/۱،بحوالہ تسکین العینین:۲۷۴)

(۹)-عقیل احمد بن حبیب اللہ غیر مقلد (فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس کی سند صحیح ہے۔اس حدیث کو ترمذی نے حسن اور ابن حزم نے صحیح کہا ہے ...شیخ البانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ثابت ہے اس کی سند میں کوئی کلام نہیں ہے۔''

(تخریج وتعلیق حدیثِ نماز:۲۳۱طبع سلفی دارالاشاعت دہلی)

(۱۰)-حافظ عمران ایوب غیر مقلد نے پہلے علامہ ابن حزم ظاہری سے نقل کیا:''یہ خبر صحیح ہے۔'' پھر اپنی طرف سے لکھا:

''حدیث صحیح ہے۔''(فقہ الحدیث:۳۹۹/۱)

لاہوری صاحب نے اس مقام پر حاشیہ میں لکھا:

''شیخ احمد شاکرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعلیق الترمذی(۴۱/۲) شیخ شعیب ارنؤوط،شیخ عبدالقادر ارنؤوط اور زہیر شاویش وغیرہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[التعلیق علی شرح السنۃ(۲۴/۳)''

(حاشیہ:فقہ الحدیث:۳۹۹/۱)

(۱۱)-غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی کہتے ہیں:

''علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب سے خالی نہیں ہے کیوں کہ مختلف اوقات میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں۔''(فتاویٰ نذیریہ:۴۴۱/۱)

آگے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

''ابن حزم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ترمذی نے حسن۔قصہ مختصر رفع یدین کا ثبوت اور عدم ثبوت دونوں مروی ہیں۔''(فتاویٰ نذیریہ:۴۴۴/۱...فتاویٰ علمائے حدیث:۱۶۰/۳)

غیر مقلدین کی زبانی میاں صاحب کا مقام ملاحظہ فرماتے چلیں:

''شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کا ثانی متاخرین محدثین میں اب تک کوئی نہیں پیدا ہوا۔'' (فتاویٰ علمائے حدیث: ۲۳۶/۳)

(۱۲،۱۳)۔مذکورہ بالا فتویٰ میاں صاحب کا تحریر کردہ ہے۔اس پر محمد عبد القادر اور محمد اسماعیل نامی دو شخصوں کے دستخط بھی ہیں۔

(۱۴)۔غرباء اہلِ حدیث کے ''امام'' عبد الستار لکھتے ہیں:

''اہلِ حدیث کے نزدیک تو صحاح ستہ کی کل احادیث اپنے اپنے موقع پر قابل عمل و لائق تسلیم ہیں۔'' (فتاویٰ ستاریہ: ۵۷/۲)

فتاویٰ ستاریہ کی مذکورہ عبارت حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی نقل کی ہے۔(علمی مقالات: ۲۸۰/۲)

(۱۵)۔صحیفہ اہلِ حدیث میں لکھا ہے:

''کتبِ صحاح ستہ اسلام کے دفاتر اور اصول ہیں۔شرق و غرب نے ان کی صحت پر اتفاق کیا ہے۔'' (صحیفہ اہل حدیث دہلی: ۱۳۵۵ھ ذیقعدہ،صفحہ: ۳۱)

ترک رفع یدین کی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحاح ستہ میں سے نسائی،ابوداؤد اور ترمذی میں موجود ہے جب کہ ابو داؤد: ۱۰۹/۱ میں ترک رفع یدین کی سیدنا براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی ہے اور غرباء اہلِ حدیث کے امام مولانا عبد الستار کے نزدیک صحاح ستہ کی سب حدیثیں صحیح اور قابل عمل ہیں۔

اسی طرح صحیفہ اہلِ حدیث کی تصریح کے مطابق صحاح ستہ کی حدیثوں کے صحیح ہونے پر مشرق اور مغرب کے محدثین کا اتفاق ہے۔

(۱۶)۔غیر مقلدین کے ترجمہ وتخریج سے شائع ہونے والی نسائی میں ترک رفع یدین کی حدیث ابن مسعود کے بارے میں ''صحیح'' لکھا ہے۔(نسائی مترجم،حدیث: ۱۰۲۷،**باب ترک ذلک**: ۶۳۹...اشراف مراجع،تقدیم عبد الرحمٰن بن عبد الجبار الفریوائی،مکتبہ بیت السلام)

ترک رفع یدین کی تائید غیر مقلدین کے قلم سے

(۱)۔ابوشاکر اللہ عبد الرحیم بن طالب جان صاحب غیر مقلد (مہند ایجنسی) لکھتے ہیں:

''رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں صحیح ہے کیوں کہ یہ حق ہے یعنی رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہے۔'' (**تنبیہ الغافلین**: ۱۹،ناشر: ایوب مکتبہ پشاور،بحوالہ دوماہی ترجمان

پشاور جمادی الاول و جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ)

(۲)۔غیر مقلدین کے امام علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

''ابو حنیفہؒ نے جو روایت کی وہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر ہاتھ اُٹھائے مگر شروع میں اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رفع یدین مستحب نہیں ہے بلکہ صرف اس قدر نکلتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی اس کو ترک کیا اور مستحب وہی کام ہوتا ہے جس کو کبھی آپؐ نے کیا، کبھی ترک کیا۔ کیوں کہ اگر ہمیشہ آپؐ اس کو کرتے اور کبھی ترک منقول نہ ہوتا تو رفع یدین واجب ہو جاتا...امام طحاویؒ علماء حنفیہ میں سے اس مطلب کو سمجھ گئے اور انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث سے استدلال کیا عدم وجوب رفع پر اور یہ استدلال صحیح ہے اور اہلِ حدیث رفع یدین کے استحباب کے قائل ہیں۔''

(رفع العجاجة عن سنن ابن ماجة:۱/۴۳۷)

علامہ وحید الزمان دوسری مقام پر لکھتے ہیں:

''بھلا رفع یدین کرنا یا نہ کرنا، آمین پکار کر یا آہستہ کہنا، ہاتھ زیر ناف یا سینے پر باندھنا یہ بھی ایسی چیزیں ہیں جن کے لیے مسلمان سے فتنہ وفساد اور ان کی عزت اور جان پر صدمہ پہنچایا جاوے۔ارے احمق! ذرا تم غور کرو یہ تو سب طرح ہماری شریعت میں جائز ہے اور ہر ایک طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ پھر کیا تم سنت نبوی پر عمل کرنے والوں کو مارنا چاہتے ہو۔'' **(رفع العجاجة :۲/۳۷۴)**

وحید الزمان ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''شیطان کا تسلط اُس پر ہے جو مستحبات اور مندوبات اور سنن کا ادا کرنا واجب کی طرح لازم سمجھے اور نہ کرنے والے کو ملامت کرے مثلاً رفع یدین نہ کرنے والے یا آمین بالجہر نہ کہنے والے کو یا دسترخوان پر نہ کھانے والے کو یا بیعت توبہ نہ کرنے والے کو کیوں کہ یہ سب امور مستحب اور مندوب ہیں اگر کسی نے نہ کیا تو اُس پر کچھ ملامت نہیں۔'' (لغات الحدیث:۱/۶۳،جع)

وحید الزمان ہی لکھتے ہیں:

''محبت اور اتفاق اور ہمدردی کے ساتھ جو اختلاف ہو وہ ضرر نہیں کرتا جیسے صحابہ اور تابعین کا طریق تھا کوئی رفع یدین کرتا، کوئی نہ کرتا۔کوئی آمین پکار کر کہتا، کوئی آہستہ کہتا۔کوئی سینہ پر ہاتھ باندھتا، کوئی ناف پر۔کوئی آٹھ رکعت تراویح پڑھتا، کوئی بیس رکعت۔کوئی جوتے اُتار کر نماز پڑھتا، کوئی جوتے سمیت اور اس اختلاف کے ساتھ آپس میں وہ ہمدردی اور محبت تھی کہ ایک مسلمان دوسرے پر جان دیتا تھا اُس کو اپنا بھائی سمجھتا تھا۔'' (لغات الحدیث:۱/۱۱۵،خل)

(۳)۔رئیس محمد ندوی غیر مقلد نے سجدوں کے رفع یدین کے اثبات اور ترک کی احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا:

’’یہ معلوم ہے کہ بعض صحابہ کی طرف منسوب روایات میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ بوقت تحریمہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کرتے تھے مگر تحریمہ کے علاوہ نماز میں کہیں اور جگہ دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ان روایات کے مختلف جوابات میں سے ایک جواب اہلِ علم نے یہ دیا ہے کہ بوقت رکوع رفع الیدین فرض و واجب نہیں صرف مسنون وغیر مؤکدہ سنت جس کا کبھی کبھار ترک کر دینا بلا کراہت درست و جائز ہے اس لیے آپؐ فی الواقع کبھی کبھار بوقت رکوع رفع الیدین نہیں کرتے ہوں گے جسے دیکھنے والے نے سمجھ لیا کہ یہی آپ کا ہمیشہ والا معمول ہے اور آپ ہمیشہ رکوع کے وقت رفع الیدین کے بغیر نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے اور معمول رکھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بوقت رکوع رفع الیدین کی نفی والی روایات اور اثبات والی احادیث کے درمیان تطبیق کی یہ صورت سب سے زیادہ بہتر ہے۔جس کی بدولت نفی و اثبات والی احادیث میں سے کسی کا رد و ابطال لازم نہیں آتا اور دونوں قسم کی احادیث اپنی جگہ پر برقرار رہی ہیں۔بعینہ یہی موقف ہماری نظر میں تحریمہ و رکوع کے علاوہ نماز کے دوسرے مواقع پر رفع الیدین کے اثبات و نفی میں واردشدہ بظاہر مختلف و متعارض احادیث کے سلسلے میں ہے اور یہی موقف ہماری نظر میں صحیح و درست ہے جس کے ذریعہ اس سلسلے میں واردشدہ اثبات و نفی والی جملہ احادیث اپنی جگہ پر برقرار رہتی ہیں اور مردود و باطل و متروک نہیں قرار پاتیں۔‘‘(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز:۳۵۴)

ندوی صاحب نے بالآخر تسلیم کر ہی لیا کہ رکوع کے رفع یدین کو چھوڑ دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

(۴)۔کسی منکرِ حدیث نے طعنہ دیا:

’’پھر نماز کے اندر بار بار اختلاف کی بھرمار۔کبھی نیت کبھی ہاتھ باندھنے کے متعلق علی صدرہ اور کہیں تحت السرۃ،آمین بالجہر ،رفع یدین ،فاتحہ خلف الامام وغیرہ۔سوال پیدا ہوتا ہے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پچاسوں قسم کی نماز رنگ برنگ پڑھتے ہوں گے؟ان ہی ملاؤں نے مذہب اسلام کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے اور اپنی الگ الگ ٹولی،ایک اینٹ کی الگ مسجد بنا ڈالی ہے۔‘‘

اس منکرِ حدیث کو جواب دیتے ہوئے مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’باقی رہا نماز کے بعض جزوی اور فروعی مسائل میں ہمارے درمیان بالکل معمولی اور نا قابلِ ذکر قسم کا اختلاف تو ایسے اختلاف کا اچھالنا اور اسے پچاسوں قسم کی ’’رنگ برنگ‘‘ نماز سے تعبیر کرنا منکرین

حدیث کی فطرت کی کجی کی علامت ہے۔دنیا کا کوئی انسان جو سمجھ بوجھ اور فطرت کی سلامت روی سے محروم نہ ہو اس بات سے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ نے تیئس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں اگر گنجائش اور بیان جواز کے لیے نماز کے بعض عمل کی دو دو صورتیں اختیار کی ہوں تو یہ کوئی بعید بات نہیں بلکہ عین ممکن ہے۔خود قرآن مجید میں قسم کے کفارے میں کی تین تین صورتیں رکھی گئی ہیں۔کفارۂ ظہار کے لیے بھی تین صورتیں رکھی گئی ہیں۔نماز تہجد کے لیے تین اختیاری اوقات کی نشاندہی کی گئی ہے۔حاجی کے لیے یوم النحر (دس ذی الحجہ) کے بعد منٰی میں دو دن ٹھہرنا بھی درست قرار دیا گیا ہے اور تین دن ٹھہرنا بھی۔پس اگر ایک عمل کے لیے ایک سے زیادہ صورتوں کا جواز کوئی قابلِ اعتراض بات ہے تو قرآن کے بیان کئے ہوئے ان مسائل کی بابت کیا ارشاد ہے؟ اگر قابل اعتراض نہیں تو پھر ہماری [مسلمانوں کی (ناقل)] نماز کے ان معمولی اور نا قابلِ ذِکر اختلاف کو اُچھال کر اس پر جملہ بازی کرنا اگر فطرت کی کجی کی علامت نہیں تو پھر اسے علم و دیانت کے کس خانہ میں شمار کیا جاسکتا ہے؟۔‘‘

(انکارِ حدیث حق یا باطل؟ صفحہ: ۹۵، تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ راولپنڈی)

مبارک پوری صاحب نے صاف اعتراف کیا ہے کہ رفع یدین اور اس کا ترک وغیرہ کئی مسائل ہیں جن کے دونوں پہلو شریعت سے ثابت ہیں۔

مبارک صاحب کی اس عبارت کے پیشِ نظر ہم کہتے ہیں کہ جس طرح منکرین حدیث کا ان مسائل پر جملہ بازی کرنا علم و دیانت کے خلاف ہے، اسی طرح غیر مقلدین کا ان میں سے ایک پہلو کو اختیار کرکے دوسرا پہلو کے عاملین کو مخالف حدیث کہنا اس سے بھی زیادہ علم و دیانت کی خلاف ورزی ہے۔اور قسم اُٹھا کر دوسری قسم کی حدیثوں کی نفی کرنا قبیح ترین حرکت ہے۔

(۵)۔غیر مقلدین کی کتاب ’’درس بخاری‘‘ میں لکھا:

’’یہاں یہ سوال اُٹھایا جاسکتا ہے کہ اگر تبدیلی ممکن نہیں تو پھر اختلاف کیسے ظہور پذیر ہوا۔جو آج ہم دیکھتے ہیں۔مسلمان مختلف مکاتیب فکر کے پیرو ہیں۔اسی نماز ہی کو دیکھ لیں اس میں کوئی آمین بالجہر کا قائل ہے تو کوئی آہستہ آمین کہنے پر مُصر ہے۔کسی نے حالتِ نماز میں ہاتھ سینے پر باندھ رکھے ہیں، کسی نے زیر ناف ہاتھ باندھنے ضروری قرار دے رکھا ہے اور کسی نے سرے سے باندھنے کی زحمت ہی گوارہ نہیں کی۔کچھ ایسے ہیں کہ رفع الیدین کرتے ہیں اور کچھ دوسرے نہیں کرتے۔اس کا جواب یہ ہے کہ سارے کام فعل ہیں اور سنت سے ثابت ہیں...اسی طرح اذان، اقامت کے مسائل ہیں۔ان تمام مسائل میں اختلاف جواز کا نہیں بلکہ اختیار کا ہے اور دونوں طرح جائز ہے کوئی اِس طرح کرے اور کوئی اُس طرح کرے۔‘‘(درس

بخاری، صفحہ:۸۱/افادات مولانا محمد گوندلوی، مرتبہ منیر احمد السّلفی، ناشر اسلامک پبلیشنگ ہاؤس قذافی سٹریٹ اردو بازار لاہور)

(۶)-مولانا محمد گوندلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’اگر اہلِ حدیث بوجہ تحقیق رفع الیدین نہ کرے اور آمین بالجہر نہ کہے یا فاتحہ خلف الامام میں تشدد نہ کرے تو بھی اہلِ حدیث ہی رہتا ہے۔‘‘(الاصلاح:۱۳۲/طبع دوم جنوری/۲۰۱۱ء، ام القری پبلی کیشنز)

غیر مقلدین کے ہاں ’’اہلِ حدیث‘‘ کا مطلب حدیث پر عمل کرنے والا ہے۔لہٰذا رفع یدین نہ کرنے، آہستہ آمین کہنے اور فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں بھی انسان حدیث پر عامل ہے۔

گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

’’اس [نماز (ناقل)] کے محسوس حصہ میں کچھ اختلاف بھی ہے مثلاً ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے اور رفع یدین کرنے اور نہ کرنے، آمین بالجہر کہنے اور آہستہ کہنے اور ہاتھ زیر ناف باندھنے یا اوپر باندھنے، مگر یہ سب امور سب کے نزدیک سنت کا درجہ رکھتے ہیں۔اس لیے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح سے نماز پڑھی ہو۔جس طرح کسی نے دیکھا اور آگے جا کر نماز پڑھی، پھر اس کو دیکھنے والوں سے اسی طرح طریقہ چلا آیا، یہاں تک یہ زمانہ آیا۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے صرف ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہو، مگر دیکھنے والوں میں سے بعض نے سنت سمجھ کر غفلت کی بناء پر چھوڑ دیا ہو، پھر وہاں سے سلسلہ چل کر اس زمانہ میں پہنچ گیا ہو۔یہی حال دوسرے امور اختلافیہ کا ہے۔‘‘(دوام حدیث:۲/۲۸۰)

گوندلوی صاحب کی تصریح کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح سے نماز پڑھی رفع یدین کے ساتھ اور ترک رفع یدین کے ساتھ بھی۔

(۷)-حافظ صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’صرف نماز کا اختلاف ہی دیکھ لیجئے۔ہاتھ باندھنے کی صورت میں: سینے پہ باندھے جائیں یا ناف کے نیچے یا چھوڑ کر نماز پڑھی جائے؟ رفع الیدین کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ اعتدال ارکان ضروری ہے یا نہیں کسی کے نزدیک ضروری ہے، کسی کے نزدیک نہیں۔خلف الامام سورۃ فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں؟ ایک کے نزدیک فرض ہے، جب کہ دوسروں کے نزدیک غیر ضروری۔اسی طرح مرد اور عورت کی نماز کا مسئلہ ہے ایک فریق ان کے طریقہ نماز میں فرق کا قائل ہے جب کہ دوسرا فریق سوائے دو تین باتوں کے ارکان نماز ادا کرنے میں کسی فرق کا قائل نہیں...اگر نماز کا اثبات صرف عملی تواتر سے ہوتا تو طریقہ نماز میں یہ اختلاف قطعاً نہیں ہوتا۔فریقین دلائل کا انبار اور کتابوں کا ڈھیر جمع نہ کرتے۔پھر تو ان کی صرف ایک ہی دلیل ہوتی کہ نماز

کا فلاں عمل یا فلاں طریقہ نسل در نسل، جیلا بعد جیل، اسی تواتر سے نقل ہوتا آرہا۔'' (فتنہ غامدیت، ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ: ٦٧)

اس عبارت میں ''فریقین دلائل کا انبار'' پہ نگاہ رہے۔ اس میں اعتراف ہے کہ ترکِ رفع یدین والے فریق کے پاس دلائل کا انبار ہے۔

(۸)-مولانا نور حسین گرجاکھی غیر مقلد نے نسائی: ۱۵۹، بیہقی: ۲ر۷۸، ابوداؤد صفحہ: ۱۱٦، کنز العمال: ۴ر۲۱۱ اور حازمی صفحہ: ۸۵ر سے حدیث نقل کی پھر یوں تبصرہ کیا:

''اس حدیث سے نماز کی ابتدائی حالت معلوم ہوگئی کہ شروع [زمانہ کی (ناقل)] نماز میں رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت تھا اور رکوع میں تطبیق تھی۔ اس حدیث پر عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے بعض اصحاب کا عمل رہا۔ اب اس کے بعد جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تطبیق کو منسوخ فرما کر گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم صادر فرمایا اور بحکم خدا تعالیٰ رکوع جانے اور سر اُٹھانے کے وقت رفع یدین کرنا شروع کیا تو... جن کو حکم ثانی نہ پہنچا وہ ابتدائی دونوں حکموں پر تا زندگی خود بھی عامل رہے اور یہی تعلیم دوسروں کو بھی دیتے رہے جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔'' (**قرۃ العینین**: ۹۵)

گرجاکھی صاحب کے بقول شروع زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کا رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر کبھی رکوع کا رفع یدین نہیں چھوڑا'' دعویٰ کرنا غلط ہوا، پھر اسی دعویٰ کو حلفیہ بیان کرنا مزید جسارت ہے۔

(۹)-مولانا ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد نے ترمذی والی حدیث ابن مسعود کے جواب میں لکھا:

''اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث سے نسخ ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ ممکن ہے ابن مسعودؓ کے نزدیک جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفع یدین ایک مستحب عمل امر ہو جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے پر نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔'' (اہلِ حدیث کا مذہب: ٧٣)

یہ عبارت ''فتاویٰ علمائے حدیث: ۳ر۱۵۴، مکتبہ اصحاب الحدیث'' میں بھی درج ہے۔

امرتسری صاحب آگے لکھتے ہیں:

''اگر اس قسم کی روایات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہوں کہ حضورؐ نے سوائے اول دفعہ رفع یدین نہیں کی تو بھی نسخ نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ سنت خاص کر مستحب امر کے لیے تو دوام فعل ضروری نہیں۔ دوام تو موجب وجوب ہے۔ سنت یا مستحب تو وہی ہوتا ہے کہ **فعل مرۃ و ترک اخری** (کبھی کیا ہو، اور کبھی چھوڑا ہو) جس کو اہلِ معقول کی اصطلاح میں مطلقہ عامہ کہنا چاہیے اور یہ تو ظاہر ہے کہ

مطلقہ عامہ کی نقیض مطلقہ عامہ نہیں ہوتا فافھم۔‘‘(اہلِ حدیث کا مذہب:۷۴)

مذکورہ عبارت ’’فتاویٰ علمائے حدیث:۱۵۵/۳،مکتبہ اصحاب الحدیث‘‘ میں بھی ہے۔

(۱۰)-غیر مقلدین کی طرف سے شائع شدہ نسائی مترجم میں سیدنا عبد اللہ ابن مبارک والی سند سے مروی حدیث ابن مسعود کی بابت ’’صحیح‘‘ لکھا ہے۔اور پھر ’’فائدہ‘‘عنوان قائم کر کے لکھا:

’’ایسا ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع الیدین نہ کرتے رہے ہوں،کیوں (کہ) یہ فرض و واجب تو ہے نہیں،اس لیے ممکن ہے بیان جواز کے لیے کبھی آپ نے رفع الیدین نہ کیا ہو،اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی حالت میں آپ کو دیکھا ہو۔‘‘

(نسائی مترجم:۶۳۹/۱ حدیث:۱۰۲۷...اشراف،مراجعہ اور تقدیم عبد الرحمٰن بن عبد الجبار الفریوائی)

(۱۱)-غیر مقلدین کے فتاویٰ میں لکھا ہے:

’’حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ قنوت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔اور یہ اختلاف ’اختلاف مباح سے ہے اس کے کرنے والے اور نہ کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں ہے جیسے نماز میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا اور مانند اختلاف تشہد اور اذان اور اقامت کے اَور مانند اختلاف حج کے جو افراد اور قران اور تمتع ہے۔ سلف صالحین نے دونوں طرح کیا ہے۔اور دونوں فعل ان میں مشہور اور معروف تھے۔بعض سلف صالحین نماز جنازہ میں قراءت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے جیسے کہ بسم اللہ کو نماز میں کبھی اونچی پڑھتے اور کبھی آہستہ دعاء افتتاح پڑھتے،کبھی رفع یدین رکوع کو جاتے اور اُٹھتے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تینوں وقت کرتے،کبھی نہ کرتے۔کبھی دونوں طرف سلام پھیرتے،کبھی ایک طرف۔کبھی امام کے پیچھے قراءت پڑھتے،کبھی نہ پڑھتے۔اور نماز جنازہ میں کبھی سات تکبیریں کہتے،کبھی پانچ،کبھی چار۔سلف صالحین میں ہر طرح کے کرنے والے موجود تھے۔یہ سب اقسام اصحاب رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں۔‘‘

(حاشیہ:فتاویٰ علمائے حدیث:۱۵۲/۳،مکتبہ اصحاب الحدیث)

اس عبارت میں منجملہ باتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام اور اسلاف سے ترک رفع یدین پر عمل پیرا رہنا ثابت ہے۔

(۱۲)-مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’رفع یدین ارکان نماز میں سے نہیں،اس کا کرنا نہ کرنا برابر ہے،نماز کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ....‘‘(حاشیہ:اُسوۂ حسنہ ترجمہ ھدی الرسول:۹۰)

(۱۳)-قاری کفایت اللہ (غیر مقلد) نے حافظ زبیر زئی علی زئی کو خط لکھا:

”میں نے درس بخاری میں علامہ گوہر رحمٰن صاحب مرحوم (غیر مقلد) سے مسئلہ رفع الیدین میں استفادہ کیا تھا،ان کی تقریروں سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ رفع الیدین وعدم رفع الیدین دونوں کی حیثیت مساوی ہے۔مگر آپ کی کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مقابلہ 70اور 30 کا ہے۔“

(اشاعۃ الحدیث،اشاعت خاص بیاد حافظ زبیر علی زئی:۶۱۱،مکتبہ اسلامیہ)

گوہر صاحب سے کئے گئے استفادہ کے مطابق رفع یدین کی طرح اس کا ترک بھی ثابت ہے، حیثیت میں دونوں برابر ہیں۔عبارت کے اگلے حصہ میں تیس فی صد مان لینا بھی غنیمت ہے۔

(۱۴)-غیر مقلدین کی ایک عربی کتاب میں لکھا ہے:

”فَنقُوْلُ اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیه وسلم شَرَعَ کُلَّ مِنَ الْھَیْئَاتِ الثَّلاثِ الرَّفْعُ عِنْدَ تَکْبِیْرَۃِ الْاِحْرَامِ فَقَطْ لِحَدِیْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ کَمَا ھُوَ مَذْھَبُ الْحَنَفِیَّۃِ وَالرَّفْعُ عِنْدَ الرُّکُوْعِ وَالرَّفْعِ مِنْہُ وِعِنْدَ الْقِیَامِ اِلٰی الرَّکْعَۃِ الثَّالِثَۃِ اَیْضًا لِحَدِیْثِ ابْنِ عُمَرَ کَمَا ھُوَ مَذْھَبُ الْجُمْھُوْرِ وَالرَّفْعُ عِنْدَ کُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ لِحَدِیْثِ مَالِکٍ فَالْکُلُّ سُنَّۃٌ وَلَا تَثْرِیْبَ عَلٰی مَنْ رَفَعَ اَوْ لَمْ یَرْفَعْ ۔(اَلْاِخْتِیَارَاتُ الْفِقْھِیَّۃُ مِنْ خِلَالِ کِتَابِ صَفَۃُ صَلٰوۃِ النَّبِیّ صلی اللہ علیه وسلم:۳۴۴،دار ابن حزم)

ترجمہ:ہم کہتے ہیں کہ بلا شبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں حالتوں میں سے ہر ایک کو مشروع فرمایا:رفع یدین فقط تکبیرۃ تحریمہ کے وقت،حدیث ابن مسعود کی وجہ سے جیسا کہ وہ حنفیہ کا مذہب ہے۔اور رفع یدین رکوع کے وقت اور اس سے اُٹھتے ہوئے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت،حدیث ابن عمر کی وجہ سے جیسا کہ یہ جمہور کا مذہب ہے۔اور رفع یدین ہر جھکنے اور اُٹھنے کے وقت حدیث مالک کی وجہ سے۔پس یہ سب طریقے سنت ہیں،لہٰذا اس پر کوئی الزام نہیں جو رفع یدین کرے یا نہ کرے۔

فائدہ: مولانا شاہ اسماعیل دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

”فلایلام تارکه وان ترکه مدة عمرہ۔“(تنویر العینین بحوالہ **الروضۃ الندیۃ:۹۶)**

ترجمہ:رفع یدین کے تارک کو ملامت نہیں کی جاسکتی اگر چہ ساری عمر اسے چھوڑے رکھے۔

غیر مقلدین کے ہاں مولانا شاہ اسماعیل دہلوی ”اہلِ حدیث“ شمار ہوتے ہیں۔اس پر اُن کی بیسیوں عبارتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

غیر مقلدین کے ہاں ترک رفع یدین پر عمل

(۱)-مولانا ثناءاللہ مدنی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''والدین کی دلجوئی کے لیے ترک رفع الیدین کی گنجائش ہے ...ہمارے بعض اسلاف تبلیغی مصلحت کے پیشِ نظر ترکِ رفع پر عامل تھے۔''

(الاعتصام مئی ۱۹۹۰ء صفحہ:۹،بحوالہ حدیث اور اہلِ حدیث:۱۱۴)

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ رفع یدین کے چھوڑنے پر غیر مقلد مفتی نے محض بعض اسلاف کا عمل پیش کیا ہے۔بعض اسلاف کی پیروی میں رفع یدین چھوڑ دینا غیر مقلدین کے ہاں اتباع کہلائے گا یا وہ اسے تقلید کا نام دیں گے؟

اس عبارت میں یہ بھی ہے کہ ترک رفع یدین پر عمل پیرا عام غیر مقلد نہیں بلکہ اُن کے اسلاف ہیں۔

(۲)-خواجہ عطاءالرحمٰن غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولانا خالد صاحب (گرجاکھی) نے بتایا ہے کہ والد (نور حسین گرجاکھی) صاحب نے ایک دن تہجد کی نماز میں اپنے استاد مولانا علاؤ دین صاحب کے ساتھ باجماعت ادا کی تو مولانا علاؤ دین صاحب کو تہجد میں رفع الیدین کر کے نماز پڑھتے دیکھا،حالاں کہ مولانا دن کی نمازوں میں رفع الیدین نہ کرتے تھے۔میں نے پوچھا تو فرمانے لگے بیٹا یہ سنت سے ثابت ہے لیکن میں دِن کو اس لیے نہیں کرتا تاکہ لوگ بدک نہ جائیں،کہنے لگے ایک دن میں اپنے استاد حضرت مولانا غلام رسولؒ صاحب قلعوی کے ساتھ اکیلا نماز پڑھ رہا تھا تو انہوں نے بھی رفع الیدین کیا۔میں نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا بیٹا یہ سنت رسولؐ ہے۔ہم لوگ صرف اس لیے نہیں کرتے کہ لوگ بدک نہ جائیں اور ہماری تبلیغ میں رکاوٹ نہ ہو۔''

(سوانح مولانا نور حسین گرجاکھی صفحہ:۱۲،بحوالہ حدیث اور اہلِ حدیث،صفحہ:۱۱۴)

(۳)-غیر مقلدین کے ہاں ''امیر المجاہدین'' کا لقب پانے والے فضل الٰہی وزیر آبادی ایک عرصہ تک اپنی مسلکی سنتوں راپنے امتیازی مسائل کے تارک رہے اور انہوں نے اس کا خود ہی اعتراف واعلان کیا۔وہ کہتے ہیں:

''میں نے ریفرنڈم جیتنے اور شمالی سرحدی صوبہ کو پاکستان میں شامل کرنے کی غرض سے رفع الیدین،سینے پر ہاتھ باندھنے،آمین اونچی کہنا چھوڑ دیا۔میرے متعلق کہا گیا کہ امام کی اقتداء میں فضل

الٰہی کا اگر مُنہ ہلتا ہے تو یہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہوگا اور یہ پکا وہابی ہے لہٰذا میں نے کچھ عرصہ کے لیے فاتحہ خلف الامام بھی چھوڑ دی۔'' (علمائے دیوبند اور انگریز، صفحہ:۱۵۳، بحوالہ توضیح الکلام پر ایک نظر، صفحہ:۱۴)

(۴)-ڈاکٹر حافظ محمد زبیر غیر مقلد لکھتے ہیں:

''میں رفع یدین کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں اور یہی درست سمجھتا ہوں کہ رفع یدین کرنا چاہیے لیکن بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ کسی حنفی مسجد میں امام مسجد موجود نہیں ہے، بعض نمازیوں نے مجھے نماز کے لئے آگے کر دیا تو اَب میں نے ان کا لحاظ کیا اور حنفی طریقے سے نماز پڑھا دی۔ یہ منہاج کی نرمی ہے۔'' (آسان دین:۲۳، دار الفکر الاسلامی لاہور)

(۵)-مولانا عنایت اللہ اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولوی عبدالوہاب نے مجھ سے فرمایا کہ مولوی عبدالحکیم نصیر آبادی جب فلاں جگہ جاتے ہیں تو وہاں کے احناف کی خاطر رفع الیدین چھوڑ دیتے ہیں۔''

(**الجسر البلیغ** :۲۳، مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم)

(۶)-قاضی عبدالاحد خان پوری غیر مقلد کے حالات میں لکھا ہے:

''احناف کی مساجد میں وہ آمین بالجہر اور رفع یدین بھی نہ کرتے تھے کیوں کہ اصل مقصد آپ کے سامنے توحید تھا۔ ایک دفعہ ایک طالب علم خان پور سے آیا۔ آپ نے اس سے کہا کہ اس مسجد میں آمین بالجہر نہ کہنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین بالجہر اور رفع یدین کی وجہ سے ہجرت نہیں کی تھی بلکہ توحید کی خاطر کی تھی۔'' (تذکرہ علمائے خان پور:۳۸)

مذکورہ عبارت محمد اسحاق بھٹی غیر مقلد کی کتاب '' چمنستان حدیث: ۲۱۸'' میں بھی منقول ہے۔ بھٹی صاحب نے اس کی تردید نہیں کی۔ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد کا اصول ہے کہ کوئی مصنف کسی عبارت کو نقل کر کے اس کی تردید نہ کرے تو اس کی طرف سے موافقت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حافظ ابن حجر نے حافظ ابن حزم کی مخالفت نہیں کی لہٰذا یہ اُن کی طرف سے ابن حزم کی موافقت ہے۔'' (علمی مقالات:۶ر۱۳۰)

(۷)-علی حسن خان غیر مقلد اپنے والد نواب صدیق حسن خان کے متعلق لکھتے ہیں:

''والا جاہ مرحوم نماز پنجگانہ حنفی طریقہ پر پڑھتے تھے البتہ ان کو فاتحہ خلف الامام اور اول وقت کا خاص اہتمام مدنظر رہتا تھا۔'' (مآثر صدیقی:۴ر۶۳)

علی حسن خان کی تصریح کے مطابق فاتحہ خلف الامام اور اول وقت نماز پڑھنے کے علاوہ باقی نماز نواب صاحب حنفی طریقہ کے مطابق پڑھتے تھے۔جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ رکوع کا رفع یدین نہیں کرتے ہوں گے۔اس عبارت کے پیش نظر دوسرے مسائل: ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا، آہستہ آمین کہنا، سجدہ جاتے ہوئے ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھنا، جلسہ استراحت نہ کرنا اور تورک نہ کرنا وغیرہ مسائل بھی نواب صاحب کے مختار شمار ہونے چاہییں۔

مآثر صدیقی کے حوالہ کے بعد''**نزھة الخواطر**'' کی عبارت بھی پڑھ لیں۔اس میں نواب صاحب کے متعلق لکھا ہے:

''العجب انه كان يصلى على طريقة الاحناف فلايرفع الايدى فى المواضع غير تكبيرة التحريمة و لا يجهر بآمين بعد الفاتحة ولايضع يده على صدره.

(**نزهة الخواطر**: ۱۹۱/۸بحوالہ نور الصباح:۲۲۰/۲)

ترجمہ:تعجب کی بات ہے کہ وہ احناف کے طریقہ پر نماز پڑھا کرتے تھے اس لئے تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مقامات میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، نہ ہی فاتحہ کے بعد آمین اونچی کہتے اور نہ ہی ہاتھ سینے پر باندھتے۔

بلکہ نواب صاحب نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ سے نقل کیا:

''ان آخر الامرين ترک الرفع ولا يدرى مدة الترک فيحتمل انه ترکه فی ايام المرض.''(الروضۃ الندیۃ:۹۵)

ترجمہ: دو امروں (رفع یدین کرنے اور چھوڑنے) میں سے ترک رفع یدین آخری عمل ہے، رفع یدین کے ترک کی مدت معلوم نہیں۔احتمال یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مرض الوفات میں اسے چھوڑ دیا تھا۔

(۸) مولانا عبدالغفار دہلوی غیر مقلد مسئلہ رفع یدین کے متعلق لکھتے ہیں:

''آہ! آج بعض اہلِ حدیث بھی اس سنت کو چھوڑے بیٹھے ہیں یعنی اس طرح رفع یدین کرتے ہیں جیسے کسی کو اشارہ سے بلا رہے ہوں۔''(رفع الیدین:۴)

☆......☆......☆......☆

ختم نبوت زندہ باد | یا اللہ مدد | خلافتِ راشدہ حق چار یارؓ

فقید المثال عظیم الشان

عظمتِ اہل بیت کانفرنس

مورخہ: 17 راگست 2023ء، بروز جمعرات، بعد نماز عشاء بمقام: جامعہ حقانیہ، قینچی، لاہور کینٹ

بیاد

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ	امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ
فقیہ العصر مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی رحمہ اللہ	مفسر قرآن مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی رحمہ اللہ
پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ	امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ

مندوبین

حضرت مولانا قاضی ظہور الحسین اظہر مدظلہ، چکوال	حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی مدظلہ، لاہور
حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ، ملتان	حضرت مولانا مفتی شیر محمد علوی مدظلہ، لاہور
حضرت مولانا نعیم الدین مدظلہ، مدنیہ لاہور	حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہ، ملتان
حضرت مولانا مفتی محمد طیب مدظلہ، امدادیہ فیصل آباد	حضرت مولانا محمد فیاض خان سواتی مدظلہ، گوجرانوالہ
حضرت مولانا عبد الرحیم، جامعہ محمودیہ جھنگ	حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی، کراچی
مولانا مفتی شاہد عبید، جامعہ اشرفیہ لاہور	مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی، راولپنڈی
مولانا عبد الجبار سلفی، لاہور	محترم جناب میاں رضوان نفیس، لاہور
مولانا مفتی خرم یوسف، جامعہ اشرفیہ لاہور	مولانا عزیز الرحمٰن ثانی، دفتر عالمی مجلس ختم نبوت
مولانا قاری علیم الدین شاکر، اچھرہ لاہور	الحاج سید سلمان گیلانی، لاہور

الداعی الی الخیر: (مولانا) عبد الشکور حقانی، جامعہ حقانیہ، قینچی، لاہور کینٹ 0322-4410730